ترجمہ و تلخیص

نبوّت محمدی کے مطالعہ میں منٹگمری واٹ کا طریقہ کار

ڈاکٹر جعفر شیخ ادریس ——— ترجمہ: محمد ثناء اللہ ندوی

منٹگمری واٹ نے اپنی تین کتابوں میں نبوت محمدی سے متعلق جن اہم سوالات کے جواب دینے کی کوشش کی ہے وہ یہ ہیں:

۱- کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اس قول میں سچے تھے کہ وہ خدا کے فرستادہ ہیں؟

۲- کیا واقعی قرآن خدا کا کلام ہے؟

۳- وحی محمدی کی حقیقت کیا ہے؟

۴- قرآن اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شعور کے درمیان کس قسم کا رشتہ ہے؟

۵- جس ماحول میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے زندگی گزاری، اس کے اور آپ کے درمیان کیا علاقہ ہے؟

اس مقالہ کے پہلے حصہ میں ان اصولہائے تحقیق کا جائزہ لیا گیا ہے جن کی مصنف نے بزعم خود پابندی کی ہے، دوسرے حصہ میں اصل اخذ کردہ نتائج پر بحث کی گئی ہے۔ تیسرے حصہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مصنف نے نظری طور پر جن اصولہائے تحقیق پر کاربند ہونے کا دعویٰ کیا ہے عملاً اس سے ان کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

مزعومہ اصولہائے تحقیق:

منٹگمری واٹ نے اپنی کتاب Mohammad at Mecca کے مقدمہ میں "موقف" کے تحت یہ لکھا ہے: "یہ کتاب تین قسم کے قارئین کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے، پہلی قسم کے قارئین تو وہ ہیں جو مؤرخ کی حیثیت سے اس کو موضوع بحث بناتے ہیں۔ دوسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو مسلمان ہیں اور اسلام کے علمبردار اور تیسری قسم ان لوگوں پر مشتمل ہے جو مسیحی ہیں۔ لیکن بہرحال بنیادی طور پر مؤرخین ہی کو اس کتاب میں پیش نظر رکھا گیا ہے،

میں نے ان مسائل میں غیر جانبداری برتنے کی کوشش کی ہے جو مسلمانوں اور نصاریٰ کے درمیان مختلف فیہ ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن کے بارہ میں یہ کہنے سے گریز کیا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے یا نہیں ہے؟ چنانچہ میں نے قرآن کا حوالہ دیتے وقت یہ نہیں کہا ہے کہ "اللہ کا ارشاد ہے" یا محمد فرماتے ہیں" میں نے ایسے موقع پر "قرآن کہتا ہے" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ مادہ پرستانہ نقطۂ نظر کو اختیار کر کے ہی تاریخ کے ساتھ انصاف کیا جا سکتا ہے۔ میں ایک موحد ہونے حیثیت سے قلم اٹھاؤں گا"۔[۱]

پھر منٹگمری واٹ اعتراف کرتا ہے کہ اس کا یہ علمی نقطۂ نظر کافی نہیں ہے۔ چنانچہ نصاریٰ کو وہ محمد کے سلسلہ میں دینی موقف اپنانے کی دعوت دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ اس کی کتاب اگرچہ اس پہلو سے ناقص ہے۔ "تاہم میں سمجھتا ہوں یہ کتاب نصاریٰ کے لیے وہ تاریخی مواد پیش کرے گی جس کو مذہبی نقطۂ نظر کے تعین میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے"۔[۲]

پھر اس نے مسلم قارئین کو یقین دلایا ہے کہ تاریخی مطالعہ و تحقیق کے مغربی اصول و ضوابط کی پابندی کے ساتھ ساتھ اس نے اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ کوئی ایسی بات نہ کہی جائے جس سے اسلام کے بنیادی عقائد کی تردید لازم آئے۔ مسئلہ پر زور دیتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ ان مغربی مطالعات و تحقیقات اور اسلامی عقائد کے درمیان کوئی ایسی خلیج بھی نہیں جس کو عبور کرنا ممکن نہ ہو، مغربی محققین کی جن نتائج تک رسائی ہوئی اگر ان میں سے کچھ نتائج مسلمانوں کے لیے ناقابل قبول ہیں تو بسا اوقات اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ یہ محققین تحقیق و مطالعہ کے ان اصولوں کی پابندی نہیں کرتے۔ چنانچہ انہوں نے جو نتائج اخذ کیے ہیں ان میں خالص تاریخی نقطۂ نظر سے نظر ثانی کرنا ضروری ہے، لیکن وہ نتائج بسا اوقات صحیح بھی تھے۔ کیونکہ اصل حقیقت اور جوہر میں کسی تبدیلی کے بغیر اسلامی کے مبادی کی از سر نو تشکیل کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

چنانچہ اس نے اپنی ایک کتاب میں اسی بات کو دہرایا ہے۔ قرآن کو کلام اللہ یا محمد کی تخلیق یا محمد کی شخصیت کے توسط سے فعل الٰہی کہنے سے گریز کیا گیا ہے کیونکہ اس قسم کے مسائل کسی بھی مؤرخ کے دائرۂ بحث سے خارج ہوتے ہیں۔ اس نے مسلمانوں سے مفاہمت کی یہ شکل اپنائی کوشش کی ہے کہ کوئی ایسی بات نہ کہی جائے جس سے ان کے بنیادی عقائد میں سے کسی عقیدہ کا انکار و تردید لازم آئے۔ اس لیے "قرآن کہتا ہے" کے الفاظ استعمال کیے ہیں "محمد کہتے ہیں" کے الفاظ استعمال نہیں کیے ہیں۔ لیکن اس نے یہیں یہ بھی بتا دیا کہ کسی کلام کے بارہ میں اگر اس نے

یہ کہا ہو کہ یہ محمد کی طرف وحی کی گئی ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ قرآن کو کلام اللہ سمجھتا ہے۔[41]

اب جہاں تک یہ سوال ہے کہ علمی یا سائنٹفک طریقۂ کار کو نبھانے کے لیے کیا مادہ پرستانہ نقطۂ نظر کو اپنانا بہرحال میں ضروری ہے تو اس نے ایک دوسری کتاب "ISLAMIC REVELATION IN THE MODERN WORLD"[42] میں زیادہ وضاحت کے ساتھ اس کا جواب دیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ علمی یا سائنٹفک نقطۂ نظر سے مقصود سائنس کے انکشافات اور کارناموں پر مبنی جدید ذہن ہے جس میں بہت سے امور میں سائنسی انداز و اسالیب کو تطبیق دینے کے امکان کا نظریہ بھی شامل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ وہ ان لوگوں کی تائید نہیں کرتا جو خالص سائنٹفک نقطۂ نظر کے انتہائی تقاضوں کو تسلیم کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سائنس انسان کو اس کے تمام پیچیدہ سوالات کے جواب فراہم کر سکتی ہے، واٹ کا خیال ہے کہ سائنس کے یقینی نتائج کو قبول کر لینا چاہیے، سائنس کے بہت سے نظریات میں سچائی کا احتمال ہے۔ زندگی کے بیشتر شعبوں میں سائنسی طریقۂ کار کو تطبیق دینے کو ہمیں صحیح سمجھنا چاہیئے۔ بعض شعبوں کو مستثنیٰ بھی کرنا چاہیے جن میں سے سب سے زیادہ اہم اقدار کا شعبہ ہے کیونکہ اگر سائنٹفک طریقۂ کار ہی کو واحد طریقۂ کار سمجھ لیا جائے تو اس سے کائنات کے سلسلہ میں لادینی نقطۂ نظر سامنے آئے گا جس میں دینی و اخلاقی اقدار کی گنجائش نہ ہوگی۔[43]

منٹگمری واٹ نے بار بار یہ کہا ہے کہ مغربی سائنٹفک انداز بحث کے رجحانات لازماً اسلام کے خلاف نہیں ہوتے، چنانچہ اس بات کا عین امکان ہے کہ ایک شخص اس طریقۂ کار کے تقاضوں کا پابند بھی ہو اور ساتھ ہی اسلام کا خالص پیرو بھی اگرچہ اس کے قبول اسلام میں "روایتی سادگی نہ ہو"۔[44]

واٹ نے اس بات کی مزید وضاحت کر دی ہے کہ تاریخی اور مؤرخانہ نقطۂ نظر سے انصاف کرنا مادی نقطۂ نظر ہی پر منحصر نہیں ہے، چنانچہ اس نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت کے سلسلہ میں جو قلم اٹھایا ہے اس کی وجہ جواز Raison D'etre پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ تقریباً نصف صدی سے مؤرخین کے رجحانات میں فرق آگیا ہے۔ مؤرخین اب تاریخ کے پیچھے کارفرما مخفی مادی عوامل کا زیادہ ادراک کرنے لگے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیسویں صدی میں رہنے والا مؤرخ اس تحریک کی بہت سی اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی جڑوں اور بنیادوں کے سلسلہ میں سوالات پوچھنا چاہتا ہے۔ جس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے

شروع کیا تھا۔ اس تحریک کے دینی اور نظریاتی (Idiological) پہلوؤں کی قدر وقیمت سے وہ صرف نظر نہیں کرے گا۔ یا اسے کم نہیں کرے گا۔ واٹ کا کہنا ہے کہ اگرچہ یہ عوامل حتمی طور پر تاریخ کی حرکت کے ذمہ دار نہیں ہوتے البتہ ان کی اہمیت اپنی جگہ باقی ہے[1]

مندرجہ بالا عبارتوں سے واضح ہو جاتا ہے پروفیسر منٹگمری واٹ ایک انصاف پسند مؤرخ اور مؤمن باللہ کی حیثیت سے قلم اٹھانا چاہتا ہے جو اسلام اور مسیحیت کے درمیان اختلافی دینی مسائل میں غیر جانبداری کو ہر حال میں اپناتا ہے اور تاریخی حقائق کو اصل شکل میں پیش کرتا ہے۔ اس کا خیال یہ ہے کہ بحث وتحقیق میں اگر سائنٹفک انداز اپنایا جائے تو کوئی ضروری نہیں کہ اسلامی معتقدات کے خلاف ہی نتائج برآمد ہوں۔ نیز وہ کوئی ایسی بات بھی نہیں کہے گا جس کی رو سے مسلمانوں کے بنیادی عقائد میں سے کسی کا انکار لازم آئے اور یہ کہ وہ اگرچہ مادی عوامل کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے، البتہ انہیں تاریخ کی حرکت کے لیے حتمی طور پر ذمہ دار نہیں سمجھتا۔ نیز زندگی کے سلسلہ میں اس کا نقطۂ نظر مادہ پرستانہ نہیں ہے۔ منٹگمری واٹ نے خود جن اصولوں پر کاربند ہونے کا دعویٰ کیا ہے کسی غیر مسلم سے ان سے زیادہ کی توقع نہیں کی جا سکتی، اس نے جس طریقہ کار اور موقف کو صحیح قرار دیا ہے صرف اسی کو بیان ہی نہیں کرتا بلکہ دوسرے مستشرقین کے طریقہ کار پر تنقید بھی کرتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "محمد کے بارہ میں اپنی کتاب - Heroes and Heroes worship" میں کارلائل کے لیکچر کے بعد مغرب کو یہ معلوم ہو گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سچا سمجھنے کے لیے مضبوط دلائل موجود ہیں۔ چنانچہ ایسے معتقدات کی راہ میں اذیتوں کو برداشت کرنا، وہ بلند اخلاقی معیار جس کے حامل ان پر ایمان لانے والے اور انہیں پیشوا تسلیم کرنے والے تھے اور ان کے عظیم کارنامے ان کی عظمت اور استقامت کے آئینہ دار ہیں اور یہ فرض کر لینے سے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبوت کے جھوٹے دعویدار تھے، بہت سے مسائل حل ہونے کے بجائے پیچیدہ ہو جاتے ہیں اور نئی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ نیز یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت کا اندازہ جو لگایا جاتا ہے اس سے فروتر سطح پر بھی مغرب کی عظیم ترین تاریخی شخصیتیں نظر نہیں آتیں۔ مغربی مصنفین عام طور پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں ہر طرح کی غلط بیانیوں کو صحیح تسلیم کرنے کا رجحان رکھتے ہیں، جہاں کہیں بھی ان کے غلط کارناموں کی تشریح بظاہر قابل قبول نظر آئی تو بس انہوں نے اسے حقیقۃً تسلیم کر لیا۔ اس لیے اگر محمد کو تھوڑا بہت سمجھنا چاہیں تو ضروری ہوگا کہ صرف امانت داری اور مقصد کی صحت سے اگر ہم ان غلطیوں کو دور

کرنا چاہیں جو ماضی سے ہمیں ورثہ میں ملی ہیں تو ہر مسئلہ میں ہمارے لیے مناسب ہوگا کہ ان کے سچا اور مخلص ہونے کا اعتقاد رکھیں تاآنکہ قطعی دلائل کی رو سے اس کے خلاف ثابت ہو جائے۔
یہ بات ذہن نشین رہنا چاہیے کہ قطعی دلائل کا حصول ان دلائل سے کہیں زیادہ مشکل ہے جو بادی النظر میں معقول نظر آتے ہیں اور وہ ان حالات میں مشکل ہی سے ہاتھ آتے ہیں ۔

کارکردگی اور نتائج

اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کے مطالعہ کے سلسلہ میں منٹگمری واٹ کس حد تک اس طریقۂ کار کا پابند رہا ؟
واٹ نے جن باتوں کا اعتراف کیا ہے ان کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں اس کی منطق مندرجہ ذیل طریقہ سے کارفرما رہی ہے :-

— میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں، مادہ پرست یا مشرک نہیں ہوں ۔
— میں سمجھتا ہوں کہ محمد اپنے قول میں صادق اور امین تھے ۔
— آخر تک ان کے عقلی قویٰ صحیح وسالم رہے یعنی انہیں مرگی یا کوئی دوسرا عارضہ لاحق نہیں تھا جو انسان کے قوائے عقلی پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔
— یہ صادق، امین اور وافر العقل محمد اپنے آپ کو خدا کا رسول سمجھتے تھے ۔
— وہ کہتے ہیں کہ قرآن ایک وحی ہے جو اللہ نے ان کی طرف کی ہے اس طرح یہ ان کی اختراع یا نتیجۂ فکر نہیں ہے ۔
— کسی انسان کے سچے ہونے کا مطلب ہمیشہ یہ نہیں ہوتا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہو وہ مطابق حقیقت بھی ہو، اس بات کا عین امکان ہوتا ہے کہ وہ سچا تو ہے مگر اسے غلط فہمی ہو رہی ہے ۔
— چنانچہ محمد اپنے اس گمان میں غلط فہمی کا شکار تھے کہ قرآن وحی ہے جو ان کے پاس خارج سے ایک فرشتہ کے توسط سے آتی ہے ۔

جیمس واٹ جو بات کہہ رہا ہے وہ صحیح ہے لیکن یہ بات بھی صحیح ہے کہ راست گوئی اور سچائی کے لحاظ سے مشہور کوئی شخص اگر کوئی بات کہے تو اس کی تصدیق کی جانی چاہیے۔ ہاں اگر غلط فہمی کے قطعی دلائل مل جائیں تو اس کی تصدیق نہیں کی جا سکتی۔ قطعی دلائل کی مندرجہ ذیل شکلیں ہو سکتی ہیں :-

۱- جو بات وہ کہہ رہا ہو وہ صراحۃً عقل کے خلاف ہو مثلاً کوئی متضاد بات کہے ۔

۲۔ اس کی بات کسی محسوس اور قابل مشاہدہ امر یا اس سے مستنبط کسی نتیجہ کے برعکس ہو۔

۳۔ اس کی امانت داری کے برعکس کوئی بات سامنے آجائے جو دلائل کی رو سے صحیح ہو، اس صورت میں اس کی تصدیق نہیں کی جاسکتی۔

لیکن واٹ نے ان امور میں سے کسی کی بھی نشاندہی نہیں کی ہے۔ اتفاق سے واٹ اگر ملحد ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو غلط فہمی کا شکار بتانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ خدا کا سرے سے ہی منکر ہے۔ حالانکہ واٹ خدا کا منکر نہیں ہے جیسا کہ خود اس نے اعتراف کیا ہے، پھر وہ محمد کی تصدیق کیوں نہیں کرتا؟ کیا وہ سمجھتا ہے کہ خدا موجود تو ہے مگر وہ رسول نہیں بھیجتا۔ کتابیں نازل نہیں کرتا اور کسی مخلوق کی طرف وحی نہیں کرتا؟ یا اس کے نزدیک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس وحی کا دعویٰ کر رہے ہیں وہ آپ سے پہلے کے نبیوں کی طرف کی جانے والی وحی کے علاوہ کوئی چیز ہے؟ کیا اس کا خیال ہے کہ آپؐ جو پیغام لے کر تشریف لائے وہ خدا کی طرف سے ہو ہی نہیں سکتا؟۔

منٹگمری واٹ کسی چیز کی بھی صراحت نہیں کرتا بلکہ وہ تو غلطی کے امکان سے چھلانگ لگا کر غلطی فرض کر لیتا ہے پھر اسے حقیقت ٹھہرا دیتا ہے، مصنف نے دراصل اپنے آپ کو بھنور میں پھنسا دیا ہے کیونکہ اس نے ایک ایسے طریقۂ کار کا پابند ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کے لازمی نتائج سے وہ فرار اختیار کرنا چاہتا ہے جس کی وجہ سے اس کا رویہ پراگندہ ہو جاتا ہے۔ مصنف مندرجہ ذیل تین طریقوں میں سے کسی کو بھی اپنا سکتا تھا۔

۱۔ مذکورہ طریقۂ کار کی پابندی کا دعویٰ ہی نہیں کرتا۔

۲۔ پابندی اگر کرتا بھی تو رسول اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو موضوعِ بحث نہ بناتا۔

۳۔ اس کی پابندی بھی کرتا اور اس سے برآمد ہونے والے نتیجہ کو بھی تسلیم کر لیتا، چنانچہ یہ اعلان کر دیتا کہ محمدؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔

مگر منٹگمری واٹ نے ان میں سے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ دعویٰ تو کر دیا کہ اس منہج کا پابند رہوں گا، مگر عملاً اس کے خلاف رویہ اپنایا۔ یہاں واٹ کے کچھ نظریوں، مفروضوں اور اخذ کردہ نتائج کو درج کیا جاتا ہے جس سے اس کے رویہ کو روشنی میں لایا جاسکے۔

رسول اللہ نے وحی کی ابتدا میں کیا دیکھا۔

مصنف نے اس روایت کا انگریزی ترجمہ کتاب میں درج کیا ہے جس کو طبرانی نے اپنی سند سے زہری تک عروہ بن زبیر عن عائشہؓ نقل کیا ہے اور جو وحی کی ابتدائی کیفیت سے

متعلق ہے۔ اس روایت کو مصنف نے مختلف فقروں میں تقسیم کرکے نقل کیا ہے، پھر فترت وحی کے سلسلہ میں سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے، بحث میں آسانی کے پیش نظر ہم اسی طرح روایت کو یہاں نقل کرتے ہیں۔

(الف) .... میں نے نعمان بن راشد کو امام زہری سے عروہ عن عائشہ نقل کرتے ہوئے سنا کہ حضرت عائشہ نے کہا کہ رسول اللہ کی طرف وحی کی ابتدا سچے خواب سے ہوئی جو سپیدۂ سحر کی طرح آپ کو نظر آتا تھا۔

(ب) پھر آپ کو خلوت محبوب ہوگئی چنانچہ آپ غار حراء میں کئی کئی راتیں گھر آئے بغیر عبادت کرتے تھے، پھر گھر تشریف لاتے اور اسی طرح کئی راتوں کے لیے توشہ لے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اچانک آپ کے پاس حق آگیا اور آپ سے کہا کہ اے محمد، تم اللہ کے رسول ہو۔

(ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت میں کھڑا تھا مگر میرے اوپر کپکپی طاری ہوگئی اور میں گھٹنوں کے بل چلتا ہوا خدیجہؓ کے "کمرہ" میں داخل ہوا اور کہا کہ مجھے کمبل اڑھاؤ، مجھے کمبل اڑھاؤ۔ یہاں تک کہ میرے اندر سے خوف دور ہوگیا پھر وہ (فرشتہ) آیا اور کہا کہ اے محمد، تم اللہ کے رسول ہو۔

(د) آپ نے فرمایا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ پہاڑ کی بلندی سے اپنے آپ کو گرا دوں، جب یہ خیال آیا تو وہ پھر نمودار ہوا اور کہا: اے محمد، میں جبریل ہوں اور تم اللہ کے رسول ہو۔

(ہ) پھر اس نے کہا کہ "اقرأ" پڑھو۔ میں نے کہا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا (یہ سن کر) اس نے مجھے پکڑا اور تین بار دبایا۔ میری تکلیف کی انتہا نہ رہی پھر مجھ سے کہا: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ (پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا) چنانچہ میں نے پڑھا۔

(و) پھر خدیجہ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے اپنے بارہ میں اندیشہ ہوگیا ہے، میں نے اسے اپنا ماجرا سنایا، اس نے کہا: آپ کو خوش خبری ہو، خدا کی قسم، اللہ آپ کو کبھی شرمندہ نہیں کرے گا، بخدا آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، حق کی تصدیق کرتے ہیں، امانت ادا کرتے ہیں، دوسروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، مصیبت کے وقت مدد کرتے ہیں۔

(ز) پھر وہ مجھے لے کر ورقہ بن نوفل بن اسد کے پاس گئی اور کہا کہ اپنے بھتیجے سے سنیے، انہوں نے مجھ سے دریافت کیا تو میں نے ماجرا سنایا، انہوں نے سن کر کہا: یہی وہ ناموس ہے جو موسیٰ بن عمران کے پاس نازل ہوا تھا، کاش میں اس وقت توانا اور طاقتور ہوتا، کاش میں اس

وقت تک زندہ رہتا، جب تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی، میں نے پوچھا کہ کیا وہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں، جو شخص بھی وہ چیز لے کر آیا جو تم لیکر آئے تو اس سے ضرور عداوت کی گئی ہے اگر مجھے تمہارے دن مل جائیں تو میں ضرور تمہاری مدد کروں گا۔

(ح) پھر سب سے پہلے قرآن میں یہ نازل ہوا "ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ" سے لیکر "وَيُبْصِرُونَ" تک اور "يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ" اور "وَالضُّحَىٰ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ"۔

(ط) زہری سے روایت ہے کہ ایک زمانہ تک رسول اللہ سے وحی کا سلسلہ بند ہوگیا اس سے آپ کو بہت غم لاحق ہوا اور آپ پہاڑ کی چوٹیوں تک جانے لگے تاکہ وہاں سے اپنے آپ کو گرا دیں۔ جب بھی آپ کسی چوٹی پر چڑھتے آپ کو جبریل نظر آتے جو یہ کہتے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ اس طرح سے آپ کو اطمینان ہوتا اور جان میں جان آتی۔

(س) نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سلسلہ میں فرماتے تھے، ایک روز میں چل رہا تھا، میں نے اس فرشتہ کو دیکھا جو غار حرا میں میرے پاس آتا تھا، میں نے اس کو زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر دیکھا، میں اس سے انتہائی خوفزدہ ہوا، میں خدیجہ کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے کمبل اڑھاؤ۔

(ك) چنانچہ ہم نے آپ کو کمبل اڑھا یا پھر اللہ نے یہ آیت اتاری "يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ"

(ل) زہری کا بیان ہے کہ آپ پر جو سب سے پہلی چیز نازل ہوئی وہ یہ آیتیں تھیں "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ" سے لیکر "مَا لَمْ يَعْلَمْ" تک روایت کو اسی انداز سے نقل کرنے کے بعد مصنف نے اس طرح تبصرہ کرنا شروع کیا۔ فقرہ ۱ کے بنیادی مسئلہ میں شک کرنے کے لیے اسباب موجود نہیں ہیں۔ یعنی یہ بات کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغمبرانہ تجربہ سچے خواب سے شروع ہوا" مصنف نے رویا، صادقہ یا سچے خواب کا ترجمہ Vision سے کیا ہے پھر وہ کہتا ہے "یہ چیز سونے کی حالت میں خواب سے بہت مختلف ہے" مصنف کی یقیناً یہ غلطی ہے کیونکہ یہاں سچے خواب سے مراد سونے کی حالت ۔ اس سلسلہ میں قطعی دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ طبری کی یہ حدیث بخاری میں بھی موجود ہے، امام بخاری نے يحيى بن بكر عن ليث عن عقيل عن ابن شهاب زهري عن عروة عن عائشة نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ کی طرف وحی کی ابتدا جس چیز سے ہوئی وہ نیند کی حالت میں سچے خواب تھے۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ سپیدۂ سحر کی طرح نظر آتا تھا"

پھر وہ لکھتا ہے: ان Visions کا ذکر فقرہ ب اور ی میں بھی آیا ہے۔ فقرہ "ب" میں یہ آتا ہے کہ "یہاں تک کہ آپ کے پاس اچانک حق آگیا اور کہا کہ اے محمد......" لیکن فقرہ "ی" میں آتا ہے "میں نے اس فرشتہ کو دیکھا جو غار حراء میں میرے پاس آتا تھا۔"

یہاں حقیقی آنکھوں سے دیکھنے کی بحث ہے، مصنف پھر کہتا ہے کہ فقرہ "ا" میں مذکورہ عبارت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے جو ہم سورۂ نجم سے مستنبط کرتے ہیں اور جسے ہم محمدؐ کے الفاظ سے بھی مستنبط کرسکتے ہیں، پھر اس نے سورۂ نجم کی وہ آیتیں نقل کی ہیں جو وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ، سے شروع ہوکر لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ پر ختم ہوتی ہیں۔

پھر مصنف لکھتا ہے: "عام طور پر مسلمان مفسرین کے نزدیک مذکورہ رؤیت سے نبی کا جبریل کو دیکھنا مراد ہے، لیکن بہت سے اسباب کی بنا پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ محمد نے ابتدا میں جو دیکھا اس کو انہوں نے خدا ہی سمجھا تھا۔"[11]

وہ اسباب یہ ہیں:

۱۔ قرآن میں جبریل کا ذکر مدنی عہد میں آیا ہے۔

۲۔ سیاق عبارت اس پر دال ہے، کیونکہ اس کے بغیر عبارت پھیکی اور بے ربط ہو جاتی ہے۔

۳۔ فقرہ "ب" میں "الحق" سے اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ حق سے خدا کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

۴۔ فقرہ "ج" میں عبارت "اور پھر وہ میرے پاس آیا اور کہا" کے معنی اسی کے مطابق لیے جاسکتے ہیں۔

۵۔ طبری میں ایک روایت حضرت جابرؓ سے سورۂ مدثر کے بارے میں ملتی ہے اس میں محمد کا صرف یہ جملہ منقول ہے "میں نے ایک آواز سنی جو مجھے پکار رہی تھی۔ میں نے اپنے چاروں طرف دیکھا تو کسی کو نہیں پایا، میں نے سر اوپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔"[12]

آئیے اب ہم مصنف کے دعویٰ کا جائزہ لیں۔

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مصنف نے تین باتوں کو باہم خلط ملط کر دیا ہے (۱) وحی کی ابتداء سے قبل نیند کی حالت میں خواب (۲) جبریل کو دیکھنا جب وہ "اقرأ" کی آیت لے کر آئے تھے (۳) جبریل کو اصل شکل میں دیکھنا۔ چنانچہ اس نے یہ سمجھ لیا کہ اس سے نیند کی حالت میں خواب مراد نہیں ہے بلکہ سورہ نجم میں جس چیز کا تذکرہ ہے یہ اسی کی طرف اشارہ ہے، پھر اس سے یہ سمجھ لیا کہ محمد نے جو کچھ دیکھا

اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے، اب چونکہ خود اپنے متنٰیں فیصلہ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے دلیل دینے کی ضرورت بھی اسلئے یہ دلیل تلاش کر لی کہ مکی سورتوں میں جبریل کا ذکر نہیں ہے، درحقیقت اس کی مراد یہ ہے کہ مکی سورتوں میں صراحت کے ساتھ "جبریل" کا لفظ نہیں آیا ہے، ورنہ جہاں تک اوصاف اور ضمائر کا تعلق ہے تو بہت سی جگہوں پر مسلمانوں کے نزدیک ان سے مراد جبریل ہیں۔ لیکن منٹگمری واٹ اس سلسلہ میں مسلمانوں کا نہیں بلکہ کارل آرنز کا ہمخیال بننا چاہتا ہے جو سمجھتا ہے کہ سورۂ "التکویر" میں "رسول کریم" سے مراد شروع میں "الروح" ہوتا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ جبریل کا ذکر مکی سورتوں میں نہیں آیا ہے بلکہ جمع کے صیغہ کے ساتھ "ملائکہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن کی اس آیت "تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا" اور "نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ" میں وارد ہے۔ قاری کو اب فیصلہ کرنا چاہیے کہ یہ واٹ کی غلط فہمی ہے یا غلط ارادی یا دونوں۔

یہ حقیقت ہے کہ "الروح" کبھی رسول ہوتا ہے، الروح فرشتہ ہے جس سے مراد جبریل ہیں، چنانچہ اللہ کے ارشاد "تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا" سے یہ سمجھ لینا صحیح نہیں ہے کہ "الروح" ملائکہ کے علاوہ کوئی اور شئی ہے بلکہ یہ تو خاص کو عام کے بعد ذکر کرنے کی مثال ہے۔ عربی زبان کا یہ ایک مشہور و معروف اسلوب کلام ہے اور خود کتاب اللہ میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ واٹ اور آرنز اپنے قارئین سے چاہتے ہیں کہ "لفظ" الروح "کا وہی مطلب سمجھیں جو نصاریٰ اس لفظ سے سمجھتے ہیں۔ یہ دونوں کہنا چاہتے ہیں کہ "الروح" سے مراد اللہ ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ عربی زبان اور قرآنی سیاق و سباق کی رو سے یہ معنی لینا درست نہیں ہے "الروح" کے لغوی معنی ہے: مَا بِهِ تَكُونُ الْحَيَاةُ (جس سے زندگی ہوتی ہے) اس لیے اس چیز کے نام کے طور پر اس کا استعمال ہوا ہے جس سے جسمانی زندگی حاصل ہوتی ہے یعنی انسان کی روح، قرآن جس سے معنوی زندگی ملتی ہے اس کے لیے بھی اسم کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کو "الروح" سے موسوم کیے جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اذن الٰہی سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ جبریل کو "الروح" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرآن لاتے تھے، لیکن قرآنی آیات میں لفظ "الروح" اللہ کے اسماء یا صفات میں سے کسی اسم یا صفت کے طور پر وارد نہیں ہوا ہے بلکہ انہی معنی میں استعمال ہوا ہے جن کا ذکر ابھی اوپر کیا گیا ہے، اس بات کی دلیل ہے کہ "الروح" سے مراد جبریل ہیں اس آیت سے بھی فراہم ہوتی ہے۔ جس میں اللہ فرماتا ہے "نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ" اور "إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ" روح امین سے مراد رسول کریم ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود رسول نہیں ہے بلکہ وہ تو مرسل یا رسولوں کا بھیجنے والا ہے۔

جس کی طرف رسول کو بھیجا گیا وہ محمد رسول اللہ ہیں، پھر یہاں اگر رسول سے مراد فرشتہ نہ لیں تو آخر اس کا مطلب کیا ہوگا؟ اب جہاں تک اللہ کے اس ارشاد کا تعلق ہے "تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا" تو جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ ذکر الخاص بعد العام کا معاملہ ہے جس کی دوسری نظیر اللہ تعالی کا ارشاد ہے "تعرج الملائكة والروح اليه"۔ اس آیت میں وارد "الیہ" میں ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے کیا کوئی عقلمند شخص کہہ سکتا ہے کہ اللہ بذات خود فرشتوں کے ساتھ اپنی طرف چڑھیگا۔؟

چلیے ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ جبریل امین کا ذکر مکی سورتوں میں نہیں ہے، لیکن اس سے کہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائی وحی میں حضرت محمدؐ نے جو کچھ دیکھا وہ جبریل نہیں تھے جبکہ رسول اللہ نے خود بیان فرمایا کہ انہوں نے جو کچھ دیکھا وہ جبریل ہی تھے، مزید یہ کہ یہ استدلال تو صرف اسی شخص کے لیے صحیح ہو سکتا ہے جو صرف قرآن کے مندرجات ہی سے استدلال کرتا ہو۔ منٹگمری واٹ کا انداز ایسا بھی نہیں ہے یا ایسا انسان اس سے استدلال کر سکتا ہے جس کو کے پہلو سے روایت کی صحت میں شک معلوم ہو رہا ہو، مگر واٹ کا خود کہنا ہے کہ سندی بحث کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہے[؟] یا پھر ایسا شخص استدلال کر سکتا ہے جو یہ سمجھتا ہو کہ مذکورہ روایت اس سلسلہ میں خود قرآن کے مندرجات کے برعکس ہے۔ واٹ نے اس سلسلہ میں کوئی دلیل نہیں دی ہے، واٹ اگر اس منطق کے سہارے آگے بڑھنا چاہے تو اس کو یہ بھی کہنا چاہیے کہ مکہ میں جس شخص کی طرف وحی کی گئی تھی وہ محمدؐ نہیں تھے۔ کیونکہ محمدؐ کا نام مکی سورتوں میں نہیں آیا۔

۲۔ اب دوسری دلیل پر غور کیجیے۔ واٹ کا خیال ہے کہ سورۂ نجم کی آیات کا سیاق اس بات پر دال ہے کہ اللہ تعالی ہی کو دیکھا گیا، واٹ کہتا ہے کہ آیت "فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى" میں وارد لفظ "عبدہ" سے یقیناً مراد عبداللہ یا اللہ کا بندہ ہے۔ تمام مسلمانوں کو اس بات پر اتفاق ہے لیکن واٹ اس کے بعد کہتا ہے کہ جملہ کی یہ ترکیب انتہائی رکیک ہو جائے گی اگر جملہ میں وارد فعل کا فاعل خود اللہ کو بنا دیں[؟]

اس سلسلہ میں جو اسلامی نقطۂ نظر ہے (جس کا واٹ ناقد ہے) واٹ نے اس سے یہ سمجھا کہ پہلے اور دوسرے دونوں "اوحی" کا فاعل جبریل ہیں اور "عبدہ" سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ مفہوم مراد لینے سے آیت کا ترجمہ ہوگا "جبریل نے اپنے بندہ محمد کی طرف اس چیز کی وحی کی جو جبریل نے وحی کی"، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کس قدر رکیک اور بے ہنگم بات ہے، تفسیر کی کتابوں میں ہمیں اس آیت کا مطلب صرف یہ ملتا ہے کہ اللہ نے اپنے بندہ جبریل کی طرف اس چیز کی وحی کی

جو جبریل نے محمدؐ کی طرف کی یعنی جبریل نے خدا کی اس وحی کو محمد تک پہنچا دیا۔
٣۔ تیسری دلیل کا جائزہ لیجیے۔ واٹ کہتا ہے کہ "حَتّٰی فَجَآءَهُ الْحَقُّ فَقَالَ......." (یہاں تک کہ اچانک حق ان کے پاس آیا اور کہا) سورہ نجم کی آیتوں کے متن کے مشابہ ہے کیونکہ "الحق" سے مراد اللہ کی ذات ہوتی ہے۔ غار حراء میں اچانک جو رسول اللہ کے پاس آیا وہ ایک فرشتہ تھا جس طرح کہ "دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی" سے مراد بھی فرشتہ یعنی جبریل ہے البتہ سورہ نجم میں جن دو حالتوں کا تذکرہ ہے ان میں فرشتہ اپنی اصلی شکل میں آیا تھا اور پورے افق پر چھا گیا تھا۔ واٹ کا یہ کہنا کہ "الحق" سے مراد اللہ ہوتا ہے، صحیح ہے، لیکن اس معنی میں صحیح ہے کہ "حق" اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے البتہ اس لفظ سے کبھی غیر اللہ کو بھی بیان کر دیا جاتا ہے، قرآن میں آتا ہے:
لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ نیز قال الآن جئت بالحق "
اس حدیث میں "حق" سے مراد وہ "حق" ہے جس کو لے کر حضرت جبریل آئے تھے۔ یعنی قرآن کریم یا اس سے مراد اس بات کی بشارت ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس تشریح کی تائید بخاری کی روایت سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ "یہاں تک کہ ان کے پاس حق آ گیا اس حال میں کہ وہ غار حراء میں تھے، چنانچہ ان کے پاس فرشتہ آیا" (حتی جاءہ الحق وهو فی غار حراء، فجاءه الحق) [١٨]

٤۔ واٹ کا چوتھا شبہہ یہ ہے کہ فقرہ "ج" کو اس معنی میں لیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے الفاظ میں "ثم أتانی" (پھر وہ میرے پاس آیا) آتا ہے جس میں "أتانی" فعل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ واٹ کو ایسی بھونڈی تاویل کرنے کی ضرورت اس لیے پڑی کہ اس نے حضرت عائشہ رضی کی حدیث کو مختلف فقروں میں تقسیم کر دیا جبکہ سب کا سیاق ایک ہی تھا، پھر ہر ایک فقرہ کو مستقل روایت کا درجہ دیدیا۔[١٩]
حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ سیاق ایک ہی ہے "أتانی" کا فاعل وہی ہے جو سابق فقرہ میں "أتاه" کا فاعل ہے۔ اگر ہم حدیث کا صحیح مفہوم لیں تو ظاہر ہے ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسی سے مراد فرشتہ ہے۔ ہاں واٹ اس سے مراد اللہ ہی لیتا ہے مگر ہمارے جائزہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس فقرہ میں کوئی نیا شبہہ موجود ہی نہیں جس پر اپنی رائے خاص کی عمارت کھڑی کر لے۔
٥۔ واٹ کا پانچواں شبہہ علمی طریقہ بحث سے دوری کی عجیب مثال ہے۔ علمی طریقہ بحث کا تقاضہ تو یہ ہوتا ہے کہ کسی خاص موضوع سے متعلق ساری روایات کو جمع کر لیا جائے، پھر دیکھا جائے کہ سند اور متن کے لحاظ سے صحیح ترین روایت کونسی ہے پھر ممکن حد تک جمع اور تطبیق کی کوشش کی جائے کیوں کہ

اکثر و بیشتر ایک روایت دوسری روایت کی تکمیل کرتی ہے اور جمع و تطبیق کی صورت میں اس سے زیادہ مکمل اور جامع نقشہ سامنے آتا ہے جو روایتوں کو الگ الگ لینے سے آتا ہے لیکن اگر کسی شخص کی نیت درست نہ ہو بلکہ مقصود یہ ہو کہ سچائی کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جائے اور پہلے سے سوچے سمجھے منصوبہ کے مطابق نتیجہ اخذ کیا جائے تو ظاہر ہے ایسا شخص علمی اصول بحث سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ اس کا رویہ بالکل پراگندہ ہوگا کبھی وہ تو ابن ہشام اور بخاری کو چھوڑ کر طبری کی روایت کو تسلیم کرے گا۔ کبھی بخاری کا سہارا لیکر طبری کو ترک کر دے گا۔ کبھی بخاری کی ایک روایت کو قبول کرے گا جو اس کے منصوبہ کے مطابق ہوگی اور وہیں ایک دوسری روایت کو ترک کر دے گا۔ جو اس کے منصوبہ کے در و بست میں فٹ نہیں ہوگی۔ منٹگمری واٹ کا یہی انداز رہا ہے چنانچہ ابتداء وحی کے مسئلہ پر بحث کرنے کے لیے ابن ہشام کو چھوڑ کر طبری کی روایتیں تسلیم کی ہیں اور جواز یہ فراہم کیا ہے کہ زہری کی روایتیں اس طرح زیادہ ممتاز ہیں کیونکہ دوبارہ سہ بارہ ان کی کتابت و تدوین نہیں ہوئی جیسا کہ ابن ہشام کی روایتوں کی دوبارہ کتابت و تدوین ہوئی۔ زہری کا مجموعہ اولین مصادر کے متفرق اجزاء پر مشتمل ہے طبری میں موجود زہری کی جن روایتوں کو واٹ تسلیم کرتا ہے بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ ان روایتوں کو شروع میں فرشتہ کا ذکر نہیں ملتا۔ دلیل یہ ہے کہ واٹ نے ان روایتوں کو چھوڑ دیا ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہیں اور ان میں صراحت کے ساتھ فرشتہ کا ذکر موجود ہے۔ پھر جب بخاری کو قبول کرنے کا نمبر آیا تو واٹ نے اسی روایت کو قبول کیا جس کو بخاری نے زہری کے علاوہ کسی دوسرے راوی سے ابی سلمہ عن جابر نقل کیا ہے اور بہت سی ان روایتوں کو چھوڑ دیا ہے جو امام بخاری نے خود زہری سے ابی سلمہ عن جابر نقل کی ہیں۔ وجہ یہ روایتوں میں فرشتہ کا ذکر موجود ہے ان میں سے ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

بینا انا أمشی اذا سمعت صوتا	اس درمیان میں کہ میں چل رہا تھا میں نے
من السماء فرفعت بصری فاذا الملک	اچانک آسمان سے ایک آواز سنی، میں نے اپنی نگاہ اٹھائی
الذی جاءنی بحراء جالس علی کرسی	تو کیا دیکھتا ہوں کہ جو فرشتہ غارِ حراء میں میرے پاس آیا
بین السماء والارض۔	تھا، زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے

منٹگمری واٹ کا معاملہ تو یہ ہے کہ خود اس نے یا اس کے استاذ رچرڈ بل (Rochard Bell) نے جس سے کہ واٹ نے حدیث نقل کی ہے اس حدیث کا غلط انگریزی ترجمہ کیا ہے جس میں فرشتہ کا ذکر نہیں ہے تاکہ حدیث اس کے مقصد کے زیادہ مطابق ہو جائے، اس نے حدیث کا ترجمہ

اس طرح کیا ہے :

I heard a voice calling me, and I looked all around but could see no one, Then I looked above my head, and there He was sitting up on the Throne.[۴۱]

اس ترجمہ کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا :

"میں نے ایک آواز سنی جو مجھے پکار رہی تھی میں نے چاروں طرف دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا، تب میں نے اپنے سر کے اوپر دیکھا تو وہ" وہاں عرش کے اوپر بیٹھا تھا"

منٹگمری واٹ نے جہاں سے یہ حدیث نقل کی ہے خود اس کی صراحت کے مطابق بخاری، کتاب ۶۵، حدیث ۳، فتح الباری میں یہیں یہ حدیثیں مل جاتی ہیں[۴۲]

مگر ان دو حدیثوں کے بعد زہری کی وہ حدیث ہے جو اوپر نقل کی جا چکی ہے، پھر ایک دوسری حدیث ہے، ان دو حدیثوں میں فرشتہ کا ذکر موجود ہے۔ یوں تو واٹ کا ترجمہ باریک بینی کا ثبوت نہیں دیتا لیکن سب سے اہم تحریف جو واٹ نے کی ہے وہ یہ ترجمہ ہے" تو وہ وہاں عرش پر بیٹھا تھا" ترجمہ میں" The Throne" یا عرش کا لفظ استعمال کر کے مشہور و معروف عرش مراد لینے کی کوشش کی ہے جس سے کہ سامع اور قاری کا ذہن" الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" کی طرف منتقل ہو جائے حالانکہ روایت میں نکرہ کے صیغہ کے ساتھ" عرش" استعمال ہوا ہے۔ نیز اس میں عرش کا وصف یہ بیان ہوا کہ وہ زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عرش زمین و آسمان کے درمیان نہیں ہے، عرش باری تعالیٰ تو تمام مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق اور ارض و سما سے باہر ہے، اس روایت میں جس" عرش" کا تذکرہ ہے اس سے مراد" کرسی" ہے جو دوسری روایتوں میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر یہ مستشرق اس پر مصر کیوں ہے کہ محمدؐ نے شروع ہی میں جو چیز دیکھی تھی اس کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سمجھا تھا اور میں کیوں اس کی تردید میں طوالت سے کام لے رہا ہوں ؟

مصنف ایک جگہ لکھتا ہے کہ : ہم نے روایت کی جو تشریح کی ہے اگر وہ بالکل صحیح ہے تو پھر اس کی دوسری تشریح نہیں ہو سکتی۔ پہلی تشریح قرآن کی آیت" لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ" (نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں) کے برعکس ہے[۴۳] پھر وہ کہتا ہے کہ سورۂ نجم کی ان خاص آیتوں

کی الگ تفسیر کی جا سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ محمدؐ نے جو کچھ دیکھا تھا وہ اللہ کی عظمت اور جلال کار فرما تھا کیونکہ "لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى" (اس نے اپنے رب کی بڑی نشانیوں میں سے دیکھا) کی عبارت عام طور پر عین اللہ کی ذات کو دیکھنے پر منطبق نہیں ہوتی، واٹ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ یہ آیت "ماكذب الفؤاد ما رأى" بعد میں بڑھادی گئی ہو۔ واٹ سمجھتا ہے کہ اس سے اس کے نظریہ کو تقویت ملتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دو آنکھوں نے جب نشانی اور رمز کو دیکھا تو دل نے مرموز یا مرمز کی ذات کو دیکھ لیا۔ مگر محمدؐ پہلے نظر آنے والی چیز کی تشریح رویت خداوندی سے کی ہے جو کہ صحیح نہیں ہے لیکن تشریح کی اصل بنیاد اور جوہر کا تعلق ہے تو اس بارہ میں ان سے غلطی نہیں ہوئی۔ بہتر ہوگا کہ ہم آیت کا ترجمہ اس طرح کریں؛ "اس انسان نے جو کچھ دیکھا اس کی نسبت سے دل نے غلطی نہیں کی"۔ اس طرح ہم یہ کہنے سے گریز کریں گے کہ یہ جبریل کو دیکھنا تھا، کیونکہ اس صورت میں یہ ایک غیر تاریخی واقعہ ٹھہر جائے گا، نیز ہم روایتی اسلامی نقطۂ نظر کے برعکس کہنے سے بھی بچ جائیں گے کہ محمد نے اپنے رب کو نہیں دیکھا"[۲۵]

مصنف یہ کہنا نہیں چاہتا کہ محمدؐ نے جبریل کو دیکھا، کیونکہ اس سے غیر تاریخی روایت ثابت ہو جائے گی کیونکہ جبریل کو دیکھنا حسّی نہیں ہو سکتا اور کسی غیر حسّی امر کو تاریخی واقعہ یا تاریخی روایت سمجھنا صحیح نہیں ہے، مگر سوال یہ ہے کہ کیا واٹ اس جگہ اپنے مزعومہ اصولہائے تحقیق کی خلاف ورزی نہیں کر رہا ہے؟ کیا اس نے شروع میں اپنے موقف کی تشریح کرتے ہوئے نہیں لکھا تھا کہ وہ خدا کا منکر نہیں ہے، مادہ پرست نہیں ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ واٹ دیگر مستشرقین کی طرح جب کبھی اسلام سے متعلق گفتگو کرتا ہے یا اس پر تنقید کرتا ہے تو لادینیت اور مادہ پرستی ہی کی عینک سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ آپ کے ذہن میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ پھر واٹ نے اس کی تشریح ذات خداوندی ہی سے کیوں کی، حالانکہ کسی دہریہ اور مادہ پرست انسان کی نظر میں یہ سب سے بعید بات ہوا کرتی ہے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ واٹ نے ایک بنیادی مقصد کے لیے یہ تشریح کی ہے۔ وہ قرآن کے خدائی وحی ہونے میں شکوک کی تخم ریزی کرنا چاہتا ہے اس کے لیے متعدد وسائل اختیار کیے گئے۔

۱۔ ہر عقلمند انسان سمجھتا ہے کہ خدا کو اسی دنیاوی زندگی میں واضح طور پر ہماری آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر یہ گمان تھا کہ انہوں نے خدا کو دیکھا ہے تو ہر شخص سمجھ لیگا کہ آپ کا یہ صرف وہم و گمان ہے جسے حقیقت سے کوئی سروکار نہیں۔

۲۔ محمدؐ کی بات میں تضاد پایا جاتا ہے کیونکہ پہلے تو وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ

کو دیکھا ہے لیکن بعد میں یہ بھی کہتے ہیں " لاتدرکہ الابصار " نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں)

۳۔ محمدؐ کو جب اپنی غلطی محسوس ہوئی تو ایک آیت بڑھا دینے کی صورت میں معذرت کی وضاحت یہ تھی " ماکذب الفواد مارأی " (میں نے جو کچھ دیکھا اس میں جھوٹا نہیں تھا)

۴۔ محمدؐ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ خدا کو دیکھا بھی جا سکتا ہے یا نہیں انہوں نے اہل کتاب سے بعد میں یہ بات سیکھی۔ اسی وجہ سے اپنی رائے بھی بدل دی اور بتایا کہ انہوں نے جبریل کو دیکھا تھا۔[۲۶]

کیا محمدؐ غار حراء جاتے تھے؟ اگر جاتے تھے تو کیوں؟

اس سوال کے جواب میں کہ محمد کبھی غار حراء بھی تشریف لے گئے، منٹگمری واٹ کہتا ہے کہ یہ ناممکن نہیں ہے کہ آپ غار حراء گئے ہوں لیکن آپ کیوں تشریف لے گئے تھے؟ واٹ کا کہنا ہے کہ بسا اوقات یہ سبب ہو سکتا ہے جو لوگ مکہ میں سخت گرمی سے بچنے کے لیے طائف جانے کی قدرت نہیں رکھتے تھے وہ گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے غاروں کا بھی رخ کیا کرتے تھے، اس لیے ممکن ہے کہ محمدؐ نے ایسا اسی لیے کیا ہو۔ اس کے بعد کی سطر میں واٹ لکھتا ہے: "گوشہ نشینی کو مستحسن سمجھنے میں یہودیوں اور مسیحیوں کا راہبانہ جذبہ کارفرما ہو سکتا ہے یا پھر محدود شخصی تجربہ کا نتیجہ ہو سکتا ہے"۔[۲۷] واٹ کا مقصد سچائی کو دریافت کرنا نہیں بلکہ شبہات کی تخم ریزی کرنا ہے۔ ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ رسول اللہؐ عبادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ حراء میں عبادت کرنے کے لیے اس قسم کی گوشہ نشینی زمانۂ جاہلیت میں قریش میں رائج تھی۔ پھر محض گرمی سے بچنے کے لیے وہاں جانے کی بات کیا وزن رکھتی ہے؟ واٹ نے جبل حراء کی جغرافیائی حالت کے بارے میں سوال کرنے کی زحمت کیوں نہ کی کہ آیا وہ مکہ کی دیگر پہاڑیوں اور غاروں سے مختلف ہے؟ اس نے اس پہاڑ کی مسافت کے سلسلہ میں کیوں سوال نہیں اٹھایا جس کے بارہ میں اس کا خیال ہے کہ جو تنگدست لوگ گرمی گزارنے کیلئے طائف نہیں جا سکتے تھے وہ وہیں گرمی کا زمانہ گزارتے تھے؟ گرمی گزارنے کے لیے آنے والے تنگدست اور محتاج لوگ آخر کہاں قیام کرتے تھے؟ کیا ہر ایک کنبہ الگ الگ غار میں رہتا تھا جس طرح کہ اس کے خیال کے مطابق رسول اللہؐ ایک غار میں رہتے تھے، یا پھر پہاڑ کی سطح پر خیمے نصب کر دیتے تھے؟ پھر اس پہاڑ کی کیا خصوصیت ہے جبکہ مکہ میں اور بھی پہاڑ تھے؟ اصل بات یہ ہے کہ جب بدنیتی ذہن میں ہوتی ہے تو انسان علم و بصیرت کو بالائے طاق رکھ کر جو چاہتا ہے کہہ ڈالتا ہے اس بات کی دلیل کہاں ہے کہ گوشہ نشینی کے پیچھے یہودی اور مسیحی راہبانہ جذبہ کارفرما ہو سکتا ہے۔

وحی سے پہلے محمدؐ کن چیزوں کے بارہ میں سوچتے تھے؟ مصنف کو یہاں

تاریخی مواد نہیں مل رہا ہے جس کی اساس پر وہ بات کہے جو اس جگہ کہنا چاہتا ہے۔ وہ کہنا چاہتا ہے کہ محمدؐ ذہنی اور نفسیاتی طور پر نبی بننے کے لیے تیار تھے۔ واٹ یہ بات اس لیے کہتا ہے کہ اس کا یہ نظریہ آئندہ اس کے لیے معاون ہوگا۔ اسی لیے وہ ایک مفروضہ قائم کرلیتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے: نوعمری ہی سے محمدؐ مکہ کے دینی اور سماجی مسائل سے آگاہ رہے ہونگے، چونکہ وہ یتیم تھے اس لیے سوسائٹی کے امراض کا انہیں زیادہ ادراک تھا۔ جہاں تک ان کے دینی نظریہ کا تعلق ہے تو یہ توحید کا ایک غیر واضح تصور تھا جو اکثر مکی باشندوں کے ذہن میں موجود تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ مکہ میں ایک اصلاح لانا چاہتے تھے سارا ماحول اس کا متقاضی تھا کہ یہ اصلاح مذہبی ہو، اسی فکری صورت حال سے محمدؐ نے بظاہر گوشہ نشینی اختیار کرنا چاہی تاکہ الٰہیاتی مسائل پر غور و فکر کریں اور کچھ عبادت بھی کرلیں جو بسا اوقات گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔"[۴۸]

اس کا مطلب یہ ہے کہ واٹ کے نزدیک محمدؐ موحد تھے اور معاشرہ میں ایک اصلاح لانا چاہتے تھے اور یہ بھی چاہتے تھے کہ اصلاح مذہبی یعنی مبنی بر توحید ہو۔ انہیں باتوں پر غور کرنے کے لیے گوشہ نشینی اختیار کی۔ واٹ تو یہ کہنے والا تھا کہ محمدؐ دراصل ایسے مسائل پر غور کر رہے تھے جن کو اپنا کر اپنے دل میں پوشیدہ پیغمبر بننے کی خواہش کا جواز پیش کر سکیں حالانکہ اللہ کا ارشاد ہے:

"وماکنت ترجو أن یلقی الیك الکتاب إلا رحمة من ربك"۔ (آپ اس بات کی امید بھی نہیں کرتے تھے کہ آپ کی طرف کتاب اتاری جائے گی۔ مگر آپ کے رب کی رحمت سے)

محمدؐ سے کس نے کہا "آپ اللہ کے رسول ہیں"؟

منٹگمری واٹ کہتا ہے کہ "انت رسول اللہ" (آپ اللہ کے رسول ہیں) امام زہری کی روایت چار فقروں میں آتا ہے یعنی فقرہ ب، ج، د اور ط میں۔ آخری دو فقروں میں بات کرنے والا جبریل پہلے فقرہ میں "الحق" اور دوسرے میں "ھو" ضمیر ہے تو کیا یہ ایک ہی واقعہ کی مختلف روایتیں ہیں جو کسی خاص وجہ سے مختلف رنگ اختیار کرگئی ہیں[۴۹]؟

واٹ اس سوال کا جواب نہیں دیتا حالانکہ اس کا جواب بہت ہی آسان ہے جس پر خود روایت کا سیاق دلالت کر رہا ہے۔ کیونکہ زہری حضرت عائشہ سے کئی واقعات پر مشتمل ایک مجموعی واقعہ نقل کر رہے ہیں اس میں آتا ہے کہ رسول اللہ جب بھی کوئی خواب دیکھتے تھے تو سپیدہ سحر کی طرح نظر آتا تھا جبریل کے ساتھ واقعہ اس مرحلہ میں پیش آیا تھا پھر خواب میں آپ نے جو کچھ دیکھا، بیداری اور واقعاتی دنیا میں وہ چیز واقع ہوئی یعنی جبریل آئے اور بولے "اقرأ"، پھر آپ حضرت

خدیجہ کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں جبریل کو دوسری بار دیکھا، پھر جب آپ کے دل میں خیال آتا کہ پہاڑ کے اوپر سے اپنے آپ کو گرا دیں تو جبریل نمودار ہوتے اور کہتے : اے محمدؐ میں جبریل اور تم اللہ کے رسول ہو۔

یہ سوال اٹھانے کے بعد واٹ نے پھر وہی بات دہرائی ہے جسے وہ اس سے قبل بیان کر چکا تھا یعنی جبریل کا ذکر اس ابتدائی عہد میں مشکوک ہے کیونکہ قرآن میں ایک طویل مدت کے بعد جبریل کا ذکر آیا ہے۔ پھر فقرہ د ب "اور سورۂ نجم میں ربط تلاش کرنے لگا۔ اس کا خیال ہے کہ سورہ نجم میں پہلی مرتبہ رسول اللہ کا اپنی طرف وحی کرنے والے کو دیکھنے کا بیان ہے۔ لیکن آیات کا سیاق مصنف کے بقول " اس بات پر دال ہے کہ اس سے قبل بھی وحی نازل ہو چکی ہے۔ لہٰذا جو وحی اس سے قبل آئی تھی وہ رؤیت سے مربوط نہیں تھی۔ چنانچہ رؤیت کا عملی نتیجہ بظاہر ایک عام شئی ہوگی مثلاً یہ اعتقاد کہ یہ متفرق جملے خدا کی طرف سے خطوط تھے اور محمدؐ سے یہ مطالبہ تھا کہ ان خطوط کا اعلان کریں، اس سے یہ مفروضہ قائم کرنا پڑتا ہے کہ محمدؐ نے اس سے پہلے بھی وحی پائی تھی لیکن جو الفاظ اور جملے وحی کیے گئے تھے ان کے بارے میں ذہنی طور پر مطمئن نہیں تھے، لیکن اب جو وحی آئی تو ذہنی طور پر اطمینان تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ رؤیت کو محمدؐ کے لیے وحی کے طلب کرنے کی دعوت قرار دیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو پیدا کرنے کے طریقوں میں سے کچھ کا علم محمدؐ کو ہو گیا ہو۔"

ملاحظہ فرمائی آپ نے یہ "گوہر افشانی" !

مصنف کو اعتراف ہے کہ آیات کا سیاق اس بات پر دال ہے کہ اس سے پہلے وحی آچکی ہے اور رسول اللہ نے اس چیز کا اعلان کر دیا ہے جو وحی کی گئی ہے۔ آپ کو قوم کی مخالفت بھی اٹھانی پڑی۔ لیکن پھر مصنف کہتا ہے کہ جو الفاظ اور جملے وحی کیے گئے تھے ان کے اصل معنی کے بارہ میں قطعی بات ذہن میں نہیں آئی تھی۔ فطری بات ہے کہ کم سے کم وہ حصہ سورۂ اقرأ اور سورۂ مدثر پر مشتمل ہے تو نعوذ باللہ نبی کریمؐ کیا جاہل تھے یا ان کلمات کے سلسلہ میں شک و شبہ میں مبتلا تھے جن کو آپ نے لوگوں تک پہنچایا تھا؟ اور یہ اعلان بھی کیا کہ وہ خدا کے رسول ہیں اور کچھ لوگ آپ کو سچ مان کر آپ پر ایمان بھی لائے؟

اب جہاں تک یہ کہنے کا تعلق ہے کہ ممکن ہے کہ رؤیت استدعاء وحی کے لیے ہو، تو کلام نہیں فقط اور کیا ہے۔ یہ دعوت کہاں سے آئی؟ کیا محض رؤیت سے؟ یا ان کلمات سے جو رؤیت کے ساتھ ہی پہنچے؟ صرف رؤیت تو استدعاء وحی نہیں بن سکتی، پھر جو الفاظ اس کے ساتھ پہنچے

وہ کہاں گئے؟ کیا وہ سورۂ نجم کی آیتیں ہیں؟ ان آیتوں میں تو ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ کیا وہ کوئی دوسری وحی تھی جو نہ قرآن میں موجود ہے اور نہ ہی حدیث میں؟ مستشرق واٹ کے علم و دانست میں آخر وہ کیسے آئی۔؟

وحی کے استدعا یا پیدا کرنے (Inducing) کے مسئلہ پر بعد میں بحث کریں گے اس وقت سوال یہ ہے کہ حضرت محمدؐ سے "أنت رسول اللّٰہ" کہنے والا کون تھا؟

منٹگمری واٹ نے اس جگہ بہت ہی واضح جواب دیا ہے جس میں اس نے ایک دوسرے مصنف کی عبارتیں استعمال کی ہیں۔ ...... "أنت رسول اللّٰہ" کے الفاظ خارجی عبارت "Exterior location یا تخیلی عبارت Imaginative Locution نہیں تھے بلکہ یہ عبارت عقلی عبارت Intellectual Locution تھے یعنی انہوں نے اپنے کانوں سے نہیں سنا اور نہ ہی تخیل کے پردہ میں یہ الفاظ آئے بلکہ یہ الفاظ ایک ایسے خطاب کی تشکیل تھے جو الفاظ سے ماوراء ہو کر ان تک پہنچا۔ یہ تشکیل حقیقی رؤیت سے بہت بعد کی بھی ہو سکتی ہے"۔[۴۱]

جس مصنف سے واٹ نے یہ اصطلاحات لی ہیں، اسی سے ان کی تشریح نقل کر دی ہے چنانچہ اس کے نزدیک دیکھنا Visions اور عبارت Locution خارجی اور داخلی دو قسموں کی ہوتی ہے۔ خارجی عبارتیں وہ ہیں جو کسی غیر طبعی سرچشمہ سے ہمارے کانوں کو سنائی دیتی ہیں۔ اسی طرح خارجی روایت کسی مادی شئی کی صورت میں ہوتی ہے جسے انسان کی مادی نگاہیں دیکھ سکتی ہیں۔ سورۂ نجم میں رویت سے مراد خارجی رؤیت ہے۔ داخلی رؤیت کی دو قسمیں ہیں، تخیلی اور عقلی۔ اوّل الذکر کا انسانی کان سے مدد لیے بغیر براہِ راست استقبال کیا جاتا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تخیلی حس کے ذریعہ اس کا استقبال ہوتا ہے۔ مگر ثانی الذکر الفاظ اور جملوں کے بغیر خطاب ہوتا ہے، اسی طرح داخلی رؤیت کی بھی قسمیں ہیں"[۴۲]

دوسرے الفاظ میں "أنت رسول اللّٰہ" کے الفاظ منٹگمری واٹ کے نزدیک خدا یا جبرئیل سے نہیں پہنچے بلکہ ان کا سرچشمہ آپ کا اپنا اندرون تھا۔ یہ ایک فکر تھی جس کو آپ نے الفاظ و جملوں کے بغیر محسوس کیا، پھر اس کی تعبیر کرنے والے الفاظ بعد میں آئے۔ واٹ نے کتاب کے مقدمہ میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ اس کا رویہ مخالفانہ نہ ہوگا وہ کوئی ایسی بات نہیں کہے گا جو ان کے بنیادی عقائد کے خلاف ہو اور یہ کہ دینی مسائل میں اس کا موقف متعصبانہ اور غیر جانبدارانہ ہوگا۔ شاید وہ اس طرح اپنے دعووں کو پورا کر رہا ہے!

واٹ نے وحی محمدی کی نقاب کشائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمارا یہ فرض کر لینا فطری ہوگا کہ ناامیدی کے اوقات میں محمد پہلے کے کسی خواب کو یاد کرتے تھے۔ شاید پریشانی کے لمحات میں اس کی یاد ان کے ذہن میں تازہ ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اس کو وہ کسی بالاتر سرچشمہ کی طرف منسوب کر دیتے تھے[۲۴]

"ما أنا بقاری" کا مطلب

واٹ لکھتا ہے کہ "ما اقرأ" کا ترجمہ (I can not read or recite) کرنا چاہیے اس کی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے جس میں ما أنا بقاری (I am not a reader) کے الفاظ آتے ہیں۔ ابن ہشام کی روایت میں "ما أقرأ" اور "ماذا أقرأ" دونوں مذکور ہیں اس سے مسئلہ کی وضاحت ہو جاتی ہے کیونکہ دوسری عبارت کا مطلب صرف (what shall I recite?) ہو سکتا ہے یہی "ما أقرأ" کا اصل مطلب ہے[۲۵]

سوال یہ ہے کہ اس جگہ پڑھنے سے مراد کسی لکھی ہوئی چیز کا پڑھنا ہے یا اس سے آزاد ہو کر چند الفاظ کو صرف زبان سے ادا کرنا ہے۔ ابن ہشام کی روایت پر غور کیجیے جس واٹ کے بقول ما اقرأ اور ماذا اقرأ میں فرق مذکور ہے۔ ابن ہشام کی روایت یوں ہے:

قال رسول الله۔ فجاءنی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جبریل وأنا نائم بنمط من	میں سو رہا تھا کہ جبریل ریشم کے غلاف میں
دیباج فیه کتاب، فقال: أقرء	ایک کتاب لائے اور مجھ سے کہا کہ پڑھیے، میں
قال، قلت: ما أقرء۔	نے کہا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا۔

اس روایت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس سے مراد کسی لکھی ہوئی چیز کا پڑھنا ہے لہٰذا "ما اقرء" کا مطلب ہوگا "لا اعرف القرأة" یعنی میں پڑھنا نہیں جانتا۔ آگے روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے پہلے فرشتہ سے کہا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتے نے جب آپ کو دبایا تو آپ جبریل سے کہا کہ تم کیا چاہتے ہو میں کیا پڑھوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ بیان فرما دی کہ میں نے اس برتاؤ سے بچنے کے لیے یہ کہا تھا جو وہ میرے ساتھ کر چکے تھے۔ (یعنی زور سے بھینچنا)[۲۶]

مصنف تضاد بیانی کا بھی شکار ہے۔ پہلے تو اس نے کہا کہ "ما اقرء" کا ترجمہ I can not read or recite سے کیا جانا چاہیے۔ پھر اخیر میں وہ کہتا ہے کہ دوسری روایت ماذا اقرء

What I shall recite? کے معنی وہی ہیں جو "ما اقرء" کے ہیں۔ چنانچہ پہلی روایت میں "ما" کو تو پڑھنے کی نفی قرار دیتا ہے۔ مگر بعد میں اس کو استفہامیہ ٹھہراتا ہے۔ بہت سے علماء اس جگہ "ما" کو استفہامیہ نہیں مانتے ابن کثیر کہتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ "ما انا بقاری" نفی ہے اس کے معنی ہیں "لست ممن یحسن القرأۃ" (میں ان لوگوں میں سے نہیں جو پڑھنا جانتے ہیں) امام نوویؒ اور ان سے پہلے امام ابو سامہؒ نے اس کو راجح قرار دیا ہے۔ جو لوگ استفہامیہ مانتے ہیں ان کا نقطۂ نظر بعید از قیاس ہے کیونکہ مثبت جملہ میں نحوی لحاظ سے "باء" کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔"[۳۷]

واٹ نے آگے چل کر پھر لکھا ہے "یہ بات قریب قریب یقینی ہے۔ متاخرین راویانِ حدیث نے ان الفاظ کے اصل معنی لینے سے گریز کیا تاکہ اس خیال کو تقویت مل جائے کہ محمدؐ پڑھنا نہیں جانتے تھے، قرآن کے اعجاز کو ثابت کرنے کے لیے اس کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے"[۳۸]

سوال یہ ہے کہ محدثین نے کیا اس طرح الفاظ کے اصل معنی لینے سے گریز کیا ہے؟ کیونکہ انہوں نے روایتوں کو تحریف کا نشانہ بنایا ہے۔ منٹگمری واٹ یہ بھی نہیں کہتا کیونکہ کم سے کم زہری کے سلسلہ میں تو اس کو یہ اعتراف ہے کہ انہیں جتنی اور جیسی بھی روایت ملی اس کو اسی طرح نقل کر دیا۔ یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امیت یا ناخواندگی کا نظریہ متاخرین کی ایجاد ہے۔ حالانکہ قرآن کا موقف اس سلسلہ میں یہ ہے۔

ماکنت تتلو من قبلہ من کتاب	آپ اس سے پہلے کسی کتاب کی تلاوت
ولا تخطہ بیمینک	نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے اسکو لکھتے تھے۔

منٹگمری واٹ اگر علماء اسلام کے بیان کردہ مفہوم کو صحیح نہیں سمجھتا تو اس کے پیچھے کارفرما اصل جذبہ کا پتہ ایک دوسری کتاب میں واٹ کی اس تحریر میں چلتا ہے "روایتی اسلام یہ کہتا ہے کہ محمد پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن یہ بات جدید مغربی محقق کے نزدیک مشکوک ہے یہ بات تو صرف اس عقیدہ پر زور دینے کے لیے کہی جاتی ہے کہ محمد کا قرآن کو لاکال لانا ایک معجزہ تھا اس کے برعکس ہمیں معلوم ہے کہ مکہ کے بہت سے باشندے پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ اس لیے یہ فرض کیا جاتا ہے کہ محمد جیسا ایک کامیاب تاجر اس قسم کے فنون سے ضرور واقف رہا ہوگا"[۳۹]

منٹگمری واٹ نے شک اور انکار کو ایک دوسرے سے ملا دیا ہے۔ کسی بھی محقق کو

اپنے مقابل کے دعویٰ میں شک کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ جس خود اس کے اپنے دعویٰ کی تائید ہو سکے۔ لیکن انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ اس شک کو ابتدائی ہی میں رکھا جائے اور سچائی کی جستجو جاری ہے جستجو کے بعد اگر مقابل کی بات صحیح معلوم ہو تو اسے تسلیم کر لینا چاہیے۔ لیکن اگر مقابل کا دعویٰ دلائل کی رو سے غلط ثابت ہو جائے تو وہ اپنے دعویٰ کو صحیح قرار دے سکتا ہے۔ اب اگر ایک شخص اپنے مقابل کے ہر دعویٰ کا انکار کرے، اپنے بے بنیاد مزعومات کو صحیح ٹھہرانا چاہے تو ظاہر ہے کہ اس کو انصاف پسند نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اگر وہ اپنے مقابل پر یہ الزام لگائے کہ اس نے ساری باتیں اس لیے کہی ہیں کہ اس سے اس کے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے تو اس کا مقابل بھی کہہ سکتا ہے کہ جناب آپ نے ان باتوں کا اس لیے انکار کیا ہے کہ اس کو تسلیم کر لینے سے آپ کا دعویٰ غلط قرار پاتا ہے اور اس کے بالکل برعکس باتیں اس لیے فرض کر لیں کہ اس سے آپ کے مزعومات کی تائید ہوتی ہے۔

مصنف نے جو کسی کامیاب تاجر کا ناخواندہ نہ ہونے کا مفروضہ قائم کیا ہے اس کے لیے دور نہ جا کر خود اس زمانہ میں کسی شہر کے کامیاب تاجروں کے حالات معلوم کر لیجیے۔ آپ کو بہت سے تاجر ایسے مل جائیں گے جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتے۔ کم سے کم میں ایک ایسے تاجر کی مثال پیش کر سکتا ہوں جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتا۔ البتہ اس کا حافظہ اچھا تھا اور اچھا حساب کر سکتا تھا اگر یہ مثال چودھویں صدی ہجری میں پائی جا سکتی ہے تو ہجرت سے قبل اس کے تصور سے کیوں کسی کا دل گھبراتا ہے؟

جہاں تک مصنف کی اس بات کا تعلق ہے کہ محمدؐ کی ناخواندگی کو اعجاز القرآن کا ثبوت ٹھہرایا جاتا ہے "تو اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ ناخواندگی اس دلیل کے اجزاء ترکیبی میں سے ہے اور اگر محمدؐ امی نہ ہوتے تو اعجاز القرآن کی دلیل ناقص ہو جاتی تو بات بالکل درست نہیں ہے ہاں اگر اس کی مراد یہ ہے کہ — جیسا کہ ایک دوسری کتاب میں بیان بھی کر دیا ہے — کہ یہ اعجاز القرآن کی تائید کی دلائل میں سے ہے تو صحیح ہے خود قرآن کہتا ہے۔

وما كنت تتلو من قبله من	آپ اس سے پہلے کسی کتاب کی تلاوت
كتاب ولا تخطه بيمينك واذًا	نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے اسے
لارتاب المبطلون ﴿٤٨﴾	لکھتے تھے ورنہ باطل پسند لوگ ضرور شک کرتے۔

یہاں قرآن نے نہیں کہا۔ اذاً لثبت أن القرآن ليس وحيًا "اس وقت ضرور

یہ ثابت ہو جاتا کہ قرآن نہیں ہے) بلکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ اس وقت فاسد ذہن والے لوگ ضرور شک کرتے یعنی جاہلوں کو اس میں شبہ ہو جاتا جس سے سرمو تجاوز کرنے کی نہیں سوچ سکتے تھے۔ لہذا ناخواندگی یہاں تائیدی دلیل ہے، اصل دلیل نہیں ہے جیسا کہ اس آیت میں تضاد بیانی سے قرآن کے پاک ہونے کو اصل دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ — کیا وہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں
کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا — کرتے، اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو
فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۝ [۲۲] — اس میں بہت سے اختلافات مل جاتے۔

اس کے بعد مصنف ہم سے کہتا ہے کہ یہاں "اقرأ" کا مطلب اپنے حافظے سے پڑھنا بھی ہو سکتا ہے یعنی ماورائے طبعی Super natural طریقے سے جو تمہارے ذہن اور حافظے میں موجود ہے اس کو پڑھنا [۲۳] اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن میں انجیلی مواد کی شکل دیکھ کر ہمیں یقین کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ محمدؐ نے انجیل نہیں پڑھی تھی۔ اس بات کا بھی امکان نہیں ہے کہ انہوں نے دوسری کتابیں پڑھی ہوں [۲۴] اگر محمدؐ نے کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی تو کیا وہ کچھ لکھ بھی سکتے تھے؟ پھر یہ اصرار کیوں ہے کہ محمدؐ پڑھنا لکھنا جانتے تھے مگر پڑھتے لکھتے بھی رہتے۔ اور یہ کون سی معقول بات ہے کہ محمدؐ اگرچہ پڑھنا لکھنا جانتے تھے مگر انہوں نے کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی اور اپنے ہاتھ سے کبھی کچھ لکھا بھی نہیں تھا؟ کیا وہ نہیں سمجھ رہا ہے کہ جس نتیجہ تک زبردستی اس کی تحقیق نے یہاں اسے پہنچایا ہے وہ لامحالہ اعجاز القرآن کی تائید کر رہا ہے؟ جس سے واٹ شروع ہی سے فرار اختیار کرنا چاہتا تھا اور اسی وجہ سے اس نے محمدؐ کی ناخواندگی کی تردید کی تھی۔ میں نے ارادی طور پر "جس نتیجہ تک اس کی تحقیق نے زبردستی اسے یہاں پہنچایا ہے" کے الفاظ استعمال کیے ہیں کیونکہ واٹ کو بخوبی معلوم تھا کہ اگر وہ کہتا ہے کہ محمدؐ نے انجیل پڑھی تھی اور اس سے مواد لے کر قرآن میں شامل کر دیا تھا تو اس کو لامحالہ یہ کہنا پڑتا کہ دونوں کتابوں میں وہ مواد ایک ہی طرح کے ہیں یا ہونا چاہیے حالانکہ دونوں کا مواد ایک طرح کا نہیں ہے اسی لیے مجبوراً اس نے یہ بات کہی کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے انجیل نہیں پڑھی تھی اور یہودی اور مسیحی تصورات کے سلسلہ میں انہیں جو واقفیت تھی وہ زبانی ہی سن سنا کر حاصل ہوئی تھی [۲۵] یہ بھی ایک دور از کار توجیہ ہے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر یہودی اور مسیحی تعلیمات کا اتنا اہتمام تھا کہ آپ ان سے قرآن میں کچھ نقل بھی کرنے لگے تھے اور ان کے بقول آپ پڑھنا لکھنا بھی جانتے تھے تو آپ نے

خود ان کتابوں کا مطالعہ کیوں نہیں کیا؟ سمجھ میں آنے والی بات تو یہی ہوگی کہ آپ اگر پڑھنا نہیں جانتے تھے تو ان کتابوں کا مطالعہ کرنے کے لیے پڑھنا ضرور سیکھ لیتے اور اگر آپ نے اس کے باوجود نہیں سیکھا تو وہاں جو پڑھے لکھے یہودی یا مسیحی موجود تھے آپ کم سے کم ان سے پڑھوا کر سن لیتے۔ اگر آپ نے ایسا کیا ہوتا تو بات یقیناً مشہور ہوتی کیونکہ جن لوگوں نے مکہ میں ایسا کیا وہ مشہور رہیں بلکہ آپ خود اس کا اعتراف کر لیتے۔ یہ آپ کے "صادق" اور "امین" ہونے کا تقاضہ تھا جس کا خود واٹ کو اعتراف ہے۔ پھر قرآن کا مضمون یہود و نصاریٰ کی کتابوں کے مندرجات کے مطابق ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ بھی کہ یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں جن باتوں کا ذکر ہے اگر وہ باتیں قرآن مجید میں انہی کتابوں سے براہ راست یا ان کتابوں کے ماننے والوں سے بالواسطہ لی گئی ہوتیں تو ظاہر ہے کہ بعثت سے پہلے بھی یہودیت اور مسیحیت کے سلسلہ میں محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی معلومات ورقہ بن نوفل جیسے شخص کی معلومات سے زیادہ ہوتیں۔ پھر ام المومنین حضرت خدیجہ آپ کو لے کر ورقہ کے پاس کیوں گئیں؟ ورقہ نے کیوں یہ خیال کیا کہ محمدؐ کو اس ناموس کے بارہ میں کچھ بھی علم نہیں ہے جو موسیٰ کے پاس آیا تھا، اور جو دیگر انبیاء کے پاس آپ سے پہلے آ چکا تھا؟ آپ حیرت سے کیوں پوچھتے کہ "کیا وہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟" جب کہ ورقہ نے کہا تھا "تمہاری قوم جب تمہیں نکال دے گی، کاش میں اس وقت زندہ رہوں" اس کے باوجود واٹ ہمیں بتاتا ہے کہ "یہ فرض کرنا زیادہ آسان ہے کہ محمدؐ اکثر و بیشتر ابتدائی عمر ہی سے ورقہ کے پاس آنے جانے لگے تھے اور عمومی انداز کی بہت سی چیزیں سیکھتے تھے"[۲۷]

رسول اللہ کے پاس کس طرح وحی آتی تھی؟

مصنف لکھتا ہے: بلاشبہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ خود محمدؐ اس قرآن میں جس کا سرچشمہ وہ مابعد الطبیعاتی قوت کو ٹھہراتے تھے اور خود ان کے انسانی شعور کے سرچشمہ سے پھوٹنے والے قرآن میں فرق کرتے تھے[۲۸] ہم جب انہیں "صادق" اور "امین" سمجھتے تھے تو ان دو باتوں کے درمیان فرق کرنا بھی ضروری ہوگا۔ مگر کس طرح وہ ان دو باتوں میں فرق کرتے تھے تو یہ معاملہ بالکل واضح نہیں ہے" حالانکہ معاملہ بالکل واضح ہے۔ رسول اللہ فرماتے تھے کہ قرآن ایسا کلام ہے جسے لے کر جبرئیل آتے ہیں آپ اسے سنتے ہیں اور یاد کر لیتے ہیں، پھر کسی لکھ لینے کا حکم دیتے ہیں۔ پھر لوگوں کو پڑھ کر سنا دیا جاتا ہے۔ یہ آپ کی روزمرہ کی انسانی گفتگو سے بالکل الگ چیز ہے، کیونکہ خدا کا کلام انسانی کلام سے یکسر مختلف ہے۔ زمانہ نبوت کے علاوہ بعد کے

ادوار میں عربی زبان وادب کے مزاج شناس لوگوں کو اس حقیقت کا پورا احساس تھا۔ لسانی لحاظ سے وہ قرآن وحدیث کے فرق کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے حدیث کے معانی بھی رسولؐ کو الہام کیے گئے، رسولؐ نے انہیں معانی کو اپنے الفاظ میں بیان کر دیا، واٹ کا یہ کہنا سچ ہے کہ رسول ان دو باتوں میں فرق کرتے تھے مگر چونکہ اس حقیقت کی تشریح میں بہت سے دینی مسائل بھی شامل ہو جاتے ہیں اس لیے "وہ اس پر بحث نہیں کرے گا" البتہ اس نے اتنا ضرور کہدیا ہے کہ اس سلسلہ میں تین طرح کے نظریے ہیں:

۱- روایتی مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ پورا قرآن ماوراءِ طبیعی سرچشمہ سے نکلا ہے وہ خدا کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے۔

۲- مغرب کے ایک سیکولر انسان (اگر اس فرق کو ملحوظ رکھے جو خود محمد ملحوظ رکھتے تھے) کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن کا سرچشمہ محمدؐ کی باشعور عقل کے علاوہ محمدؐ کی شخصیت بھی ہے۔

۳- تیسرا نظریہ یہ ہے کہ قرآن ایک الٰہی عمل ہے جو محمدؐ کی شخصیت کے تصور سے صادر ہوا، اس طور پر کہ قرآن کے بعض عناصر کو محمدؐ کی بشریت کی طرف بنیادی طور پر منسوب کیا جا سکتا ہے، یہ نظریہ بظاہر ان مسیحیوں کا ہے جو قرآن میں الٰہی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔

مصنف پھر یہ بات دہراتا ہے کہ ان تمام نظریات کے سلسلہ میں وہ غیر جانبدار ہے کیونکہ یہ دینی مسائل ہیں اور وہ اس کتاب میں مؤرخ کی حیثیت سے ہی قلم اٹھاتا ہے اور دینی مسائل پر بحث کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن اس کے بقول ایک مؤرخ کو محمدؐ کے شعور میں وحی کے اس تجربہ کو تلاش کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ وہ یہ معلوم کرنے میں حق بجانب ہے کہ اس کی ابتدا کس طرح ہوئی، کیا کیفیت تھی، محمدؐ نے کیسے اس کو بیان کیا وغیرہ کیونکہ یہ سب تاریخی واقعات ہیں۔ اگرچہ محمدؐ کے شعور سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اگرچہ اس بات کا احتمال ہے کہ محمد کا اس کو بیان کرنا خود ان کے سابق تصور کے رنگ میں رنگ گیا ہو"[۱۱۶]

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف کے لیے زیادہ اہم وہ تاریخی واقعات ہیں جو وحی محمدی کی کیفیت سے تعلق رکھتے ہیں، ان حقائق کا سرچشمہ فطری طور پر وہ ذات ہے جو اس تجربہ سے متعلق تھی، واٹ کے اعتراف کے مطابق وہ ذات "صادق اور امین" تھی لہذا ہم اس تجربہ کے بارہ میں جاننا چاہیں تو ہمیں غور سے سننا چاہیے کہ کس طرح وہ خود اس کو بیان کر رہی ہے۔ لیکن منٹگمری واٹ یہاں بھی اپنی روش کے مطابق شک پیدا کرنا چاہتا ہے اور وہ اس طرح کہ محمدؐ نے

اپنے تجربہ کو جس انداز سے بیان کیا یہ ممکن ہے کہ انداز معروضی نہ ہو بلکہ خود ان امور کے سلسلہ میں آپ کے سابق تصورات سے متاثر ہو گیا ہو آخر وہ امور کیا تھے؟ فطری طور پر یہاں یہ مفروضہ کام کر رہا ہے کہ محمدؐ نے دین کے بہت سے مسائل جن میں وحی بھی شامل ہے یہود و نصاریٰ سے سیکھ لیے تھے۔

ان ملاحظات کے بعد مصنف نے اصل موضوع پر بحث شروع کی ہے۔

سب سے پہلے سورۂ نجم میں مذکور روایت کو استثنائی معاملہ ٹھہرا کر مستبعد قرار دیتا ہے۔ پھر رؤیت" اور" داخلی خارجی عبارت" کی اصطلاحات کی تشریح کرتا ہے جو اس نے ایک دوسرے مستشرق A. Poulain سے لی ہیں۔ اس پر ہم پہلے ہی گفتگو کر چکے ہیں، پھر وہ اصل موضوع پر آتا ہے، وحی سے متعلق آیات، احادیث پر غور کرنے اور پاولین اور اپنے استاد رچرڈ بل کے نظریات سے مدد لینے کے بعد جس نتیجہ تک مصنف پہنچتا ہے اس کے لب لباب کو آسانی کے لیے مندرجہ ذیل فقروں میں بیان کیا جا سکتا ہے:

(أ) وحی کبھی زبانی خطاب نہیں ہوتی۔

(ب) مکہ میں قیام کے دوران محمد اس طرح کی وحی کو" الروح" کا عمل سمجھتے تھے۔

(ج) ایک ایسے فرشتہ کی بات جو پیغام لے کر آتا تھا بظاہر بعد کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔

(د) مکی دور میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا کہ نازل ہونے والی چیز کو رسول سنتے بھی تھے۔

(ہ) لہٰذا ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ" الروح" کوئی پیغام لے کر خطاب کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے محمد کے قلب تک پہنچتا تھا۔

(و) اس قسم کی وحی بلاشبہ" داخلی تعبیر" اور کبھی کبھی" عقلی تعبیر" ہوتی تھی، تخیلی نہیں (جس کا سرچشمہ انسان کا" تخلیقی اندرون" ہوتا ہے) اس وقت کسی بھی قسم کی حسیاتی یا عقلی تردیدت نہیں ہوتی۔

(ز) " الروح" کا ذکر ہی تجربہ کے کسی پہلو کا بیان نہیں ہے بلکہ اس کی تشریح کا نظریہ ہے (یعنی پورے تجربہ کی تشریح میں" الرّوح" کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔ یہ کسی جزوی واقعہ کا تذکرہ نہیں ہے)۔

(ح) گھنٹی کی آواز کا سننا جس سے رسولؐ نے وحی کی ایک کیفیت کو بیان کیا ہے، بلاشبہ تخیلی تجربہ ہے۔

(ط) متاخرین علماء اسلام ہی نے یہ نقطۂ نظر وضع کیا کہ آنے والا قاصد جبریل ہوتا تھا اور ابتدا ہی سے وحی کا یہی معتاد طریقہ تھا، لیکن مغربی فضلاء نے اس حقیقت پر توجہ دی کہ جبریل کا نام مدنی دور ہی میں آتا ہے اور قرآن و حدیث میں بہت سی باتیں اس مروجہ اسلامی نقطۂ نظر کے خلاف ہیں یہ اسلامی نقطۂ نظر ابتدائی عہد میں پیش آنے والے واقعات کی تشریح و تفسیر بعد کے تصورات سے کرتا ہے۔"

(ی) بسا اوقات جبریل کا یہ طریقہ مدنی دور میں بھی معتاد طریقہ رہا۔ اس صورت میں یہ فرض کیا جائے گا کہ وحی تخیلی تعبیر ہوتی تھی جس کے ساتھ جبریل کی تخیلی یا عقلی رؤیت شامل ہوتی تھی "فی صورۃ رجل" (ایک شخص کی شکل میں) کی عبارت بتاتی ہے کہ وہ تخیلی رؤیت تھی۔

(ک) یہ کہنا جہالت کا ثبوت دینا ہے کہ محمد کا کسی شئی کو دیکھنا کسی عبارت کا سننا بے حقیقت تھا جس کو ہذیان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، یا انہیں مرگی کا عارضہ تھا۔ مگر رؤیت اور عبارتوں کا داخلی تخیلی یا عقلی سطح پر موجود ہونا۔ صحت و صداقت کا معیار نہیں ہے۔

(ل) اس بات کا احتمال ہے کہ شروع میں وحی اچانک محمد کے پاس آئی ہو۔ لیکن بعد میں انہوں نے وہ طریقہ سیکھ لیا جس کے ذریعہ وہ وحی لا سکتے تھے، کیا اس کے لیے کپڑا اوڑھ لیتے تھے؟ کبھی کبھی وہ قرآن کی تلاوت کے دوران "کان دھرتے تھے"، یہی طریقہ بسا اوقات ان مقامات پر گمشدہ قرآنی آیتوں کو حاصل کرنے میں اختیار کیا جاتا تھا۔ جہاں انہیں محسوس ہوتا تھا کہ بات ناقص ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیلات یقیناً غیر معروف ہیں لیکن یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کی تصحیح کے لیے محمد ایک خاص طریقہ اپناتے تھے یعنی اگر کسی ناقص یا غلط صیغہ میں کوئی وحی آتی تھی اس کے لیے صحیح صیغہ استعمال کرتے تھے۔ بہرحال یہ مسئلہ کہ محمد کا ایک خاص طریقہ تھا جس کے ذریعہ شعور کے تجربہ کو حاصل کرتے تھے — خواہ کان دھرنے کی صورت میں ہو یا ذاتی مقناطیسی تنویم (سوتے اور نیند) کے ذریعہ یا کسی اور طریقے سے — ایسا معاملہ ہے جس کا رشتہ عالم لاہوت سے جوڑنا صحیح نہیں ہے۔"

آئیے اب ہم ان مقدمات اور دعووں پر بالترتیب غور کریں۔

(أ) اس فقرہ میں واٹ کا کہنا صحیح ہے کہ وحی کبھی الفاظ کے بغیر بھی ہوتی تھی کیونکہ وحی کے اصل معنی "الإعلام الخفی" یعنی مخفی طور پر بتا دینے یا اشارہ کرنے کے ہیں۔ یہ الفاظ کے بغیر بھی ہو سکتا ہے جیسے اللہ کا ارشاد ہے:

وأوحى ربك إلى النحل ؂ — اور تیرے رب نے شہد کی مکھیوں کی طرف وحی کی (اشارہ کیا)

اللہ تعالیٰ حضرت زکریا کے بارے میں فرماتا ہے :

فأوحى إليهم أن سبحوا بكرة وعشيا ؂ — پس اس نے ان کی طرف وحی کی (اشارہ کیا) کہ صبح و شام اس تسبیح کرو۔

اس آیت میں وحی سے مراد اشارہ اور ایماء ہے ۔ لیکن جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے تو یہ الفاظ کے ساتھ وحی کرنے کے لیے آیا ہے ۔ خواہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے دل میں براہ راست ڈال دی ہو یا وراءِ حجاب گفتگو کی ہو یا کوئی قاصد فرشتہ بھیجا ہو جس نے آپ تک اپنے رب کا پیغام پہنچایا ہو ۔ اسی طرح خواہ وہ فرشتہ اپنی اصلی شکل میں آیا ہو یا کسی انسان کی صورت میں یہ ساری صورتیں شرعی یا لغوی لحاظ سے وحی بالالفاظ کے منافی نہیں ہیں ۔ لیکن واٹ ہمیں بتاتا ہے کہ اس کے استاد رچرڈ بل نے لفظ وحی کے استعمالات کا مطالعہ کیا ۔ اور یہ نتیجہ نکالا کہ قرآن کے ابتدائی اجزاء میں کسی بھی جگہ وحی کا مطلب نص وحی کے لیے زبانی ابلاغ نہیں تھا بلکہ مطلب صرف رائے دینا یا الہام کرنا ہوتا تھا جو رچرڈ بل کی نزول قرآن کی ترتیب پر مبنی ہے ۔ واٹ نے اسی ترتیب کی پیروی کی ہے ۔ ہم قطعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ کے سلسلہ میں جب بھی وحی کا لفظ استعمال ہوا ہے صراحتہً یا سیاق کلام سے ہمیشہ یہی مراد لی گئی ہے کہ وحی کلام کی شکل میں تھی یا اس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جو اس مفہوم کے برعکس ہو ۔ اس سلسلہ میں مکی و مدنی آیتیں سب برابر ہیں ۔ بعض مکی سورتوں کی آیتیں یہ ہیں ۔

نحن نقص عليك احسن القصص بما أوحينا إليك هذا القرآن ؂ — (اے پیغمبر) ہم اس قرآن کے ذریعہ سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے ۔ تمہیں ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں ۔

واتل ما أوحى إليك من كتاب ربك لا مبدل لكلماته ولن تجد من دونه ملتحدا ؂ — آپ کے رب کی کتاب میں سے جو کچھ آپ کی طرف وحی کی گئی ہے آپ اس کی تلاوت کیجیے ۔ اس کے الفاظ کو کوئی بدلنے والا نہیں اور اس کے سوا آپ کو پناہ گاہ ہرگز نہیں مل سکتی ۔

(ب) دوسرے فقرہ میں اس کی بات صحیح ہے لیکن جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہاں " الروح " سے مراد جبریل ہیں جو مکی اور مدنی دور میں وحی لاتے تھے ۔

(ج) اس فقرہ میں واٹ کی بات صحیح نہیں ہے چنانچہ سورۃ تکویر میں جو مکی ہے اور سورہ نجم سے پہلے نازل ہوئی، ہمیں یہ آیت ملتی ہے:-

انه لقول رسول كريم ذی	بے شک یہ ایک معزز فرستادہ کی بات ہے
قوة عند ذی العرش مكين	جو عرش کی مالک ذات (باری تعالیٰ) کے حضور
مطاع ثم امين وما صاحبكم	میں صاحب مقام ہے اس کا کہا مانا جاتا ہے اور
بمجنون [54]	وہ امانت دار ہے۔ تمہارا یہ ساتھی کوئی دیوانہ انسان نہیں ہے۔

اس آیت میں "رسول کریم" سے مراد فرشتہ ہی ہے۔

(د) اگر لفظ "سمع" یا سننے سے بحث ہو رہی ہے تو رسول اللہ کے سلسلہ میں مکی یا مدنی کسی بھی دور میں اس کا استعمال نہیں ہوا ہے لیکن اگر اس کے مقتضی کو ملحوظ رکھا جائے تو دونوں ہی عہد میں ہمیں استعمال ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ قیامہ میں فرماتا ہے:-

لا تحرك به لسانك لتعجل به	آپ قرآن کو زبان سے ادا کرنے میں
ان علينا جمعه وقرانه فاذا	جلد بازی سے کام نہ لیں اس کو محفوظ کرنا
قرأناه فاتبع قرانه ثم ان	اور پڑھانا ہمارا کام ہے۔ جب ہم پڑھیں
علينا بيانه - [55]	تو آپ بھی پڑھیے پھر اس کی تشریح کرنا ہمارا کام ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان آیتوں کی تشریح اس طرح کی ہے:-

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ کو تعلیم ہے کہ کس طرح فرشتہ سے وحی لی جائے۔ رسول اللہ وحی کو لینے میں جلدی کرتے تھے اور پڑھتے وقت فرشتہ سے آگے بڑھ جاتے تھے لہٰذا اللہ نے حکم دیا کہ جب فرشتہ وحی لے کر آئے تو آپ غور سے سنیں۔ اللہ نے اس بات کی ذمہ داری لے لی ہے کہ اسے آپ کے سینے میں محفوظ کر دے گا اور اس کے مطابق ادائیگی کو آسان کر دے گا۔ اس لیے فرمایا: لا تحرك به لسانك لتعجل به اس میں "به" سے مراد قرآن ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ولا تعجل بالقرآن من قبل أن يقضى اليك وحيه وقل رب زدنی علما، پھر فرمایا "ان علينا جمعه" جس کا مطلب ہے کہ سینہ میں محفوظ کر دوں گا، "قرآنه" کا مطلب ہے "اور آپ پڑھیں گے"۔ "فاذا قرأناه" یعنی اللہ تعالیٰ سے لیکر فرشتہ جب آپ کے سامنے پڑھے "فاتبع قرآنه" یعنی اس کے پڑھنے کو غور سے سنیں، پھر اس طرح پڑھیں جس طرح فرشتہ نے آپ کو پڑھایا تھا۔[56]

(ھ) اس بات کی غلطی ہم گزشتہ سطور میں بیان کر چکے ہیں۔

(و) یہی وہ نتیجہ ہے جس تک پہنچنے کے لیے واٹ نے یہ سارے جتن کیے تھے۔ واٹ کہنا چاہتا تھا کہ قرآن ایسا کلام نہیں ہے جو اللہ سے براہ راست یا فرشتہ کے توسط سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا ہے۔ بلکہ ان کا اندرون اور عقل و تفکیر ہی اس کا سرچشمہ ہے، واٹ چاہے تو دوسرے مغربی فضلا کی طرح رسول اللہ کی سیرت کے مطالعہ یا قرآن کریم کا سہارا لیے بغیر اس قسم کے دعوے کر سکتا ہے مگر عجیب بات یہ ہے کہ ان دعووں کی تائید کے لیے خود قرآن کا سہارا لینا چاہتا ہے۔

(ز) منٹگمری واٹ نے ان احادیث کو جن میں جبریل کا ذکر موجود ہے اس لیے درخور اعتناء نہیں سمجھا کہ "مکی قرآن" میں جبریل کا ذکر موجود نہیں ہے "مکی قرآن" میں "الروح" کا ذکر ملتا ہے لیکن اب واٹ کا کہنا ہے کہ "الروح" کا ذکر یہ تاثر دلاتا ہے کہ یہ وحی کے تجربہ کی تشریح کا نظریہ ہے، اس کا کوئی حصہ نہیں ہے، واٹ نے نہیں بتایا بھی نہیں کہ آخر اس کا کیا سبب ہے۔ قرآن کا تو بیان ہے "نزل بہ الروح الامین" (روح الامین اس کو لے کر نازل ہوا) اب سوال یہ ہے کہ اس "نظریہ" کا خالق کون ہے؟ کیا رسول خود اس کا خالق ہو سکتا ہے؟ اگر ہو سکتا ہے تو وہ امانت اور دیانت کہاں گئی جس کا واٹ خود اعتراف کرتا ہے۔؟

وہ شخص کیسے "امین" ہو سکتا ہے جس نے کبھی فرشتہ کو نہیں دیکھا بلکہ تخیلی طور پر بھی نہ دیکھا ہو، پھر بعد میں جو کچھ پیش آئے اس کی تشریح دیکھنے اور کسی فرشتہ کے عمل سے کرتا ہو، پھر وہ لوگوں کے پاس جاتا اور کہتا ہو کہ میں نے فی الواقع ایک فرشتہ کو دیکھا ہے جو جبریل ہے۔ واٹ کیا یہ بتانا چاہتا ہے کہ اس شخص نے ایسا سمجھ کر کیا ہوگا کہ اس نے واقعی فرشتہ کو دیکھا ہے لیکن اس طرح تو فرشتہ کی رؤیت وحی کی تشریح کا نظریہ نہیں بن سکتی، بلکہ تخیل کی بات ہوگی۔ مگر واٹ تو اس جگہ تخیل کا بھی قائل نہیں ہے۔

(ح) اس جگہ واٹ نے بخاری کی حضرت عائشہؓ سے روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں آتا ہے کہ حضرت حارث بن ہشام نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ کبھی میرے پاس وحی گھنٹی کے بجنے کی آواز کی طرح آتی ہے۔ وحی کی یہ شکل میرے اوپر سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے جب وحی ختم ہوتی ہے تو میں تھک کر چور ہو جاتا ہوں۔ کبھی کبھی فرشتہ کسی انسان کی شکل میں میرے پاس آتا ہے۔ اور مجھ سے بات چیت کرتا ہے، وہ جو کچھ کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ پر سخت سردی کے دن میں وحی اترتے دیکھی ہے۔ جب وحی کا نزول ختم ہوتا تو آپ کی پیشانی سے

سے پسینہ چھوٹ رہا ہوتا تھا۔[۵۴]

اب واٹ کے معاملہ کو دیکھیے:

۱۔ واٹ ابھی چونکہ مکی دور میں وحی کی بات کر رہا ہے اس لیے وہ مکی آیات ہی کے دائرہ میں گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ مدنی آیات سے استدلال نہیں کرتا بلکہ ان احادیث سے بھی استدلال نہیں کرتا جو مکی دور میں وحی کے سلسلہ میں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان میں جبریل کا نام موجود ہے لیکن واٹ اب حضرت حارث بن ہشام کی حدیث سے استدلال کر رہا ہے جو جلیل القدر صحابی ہیں اور فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ جب کہ مدنی دور بھی اختتام کے قریب ہے۔

۲۔ حدیث میں تو یہ آتا ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے اور کبھی ایسا۔ حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں ہے کہ شروع میں صلصلۃ الجرس یا گھنٹی کی آواز تھی بعد میں کسی انسان کی شکل میں فرشتہ آنے لگا۔

۳۔ حضرت حارث نے مضارع کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے دریافت کیا "کیف یأتیک" (آپ کے پاس کیسے وحی آتی ہے) یہ نہیں پوچھا کہ "کیف کان یأتیک" (اس کے پاس وحی کیسے آتی تھی؟) لہٰذا جو کیفیت بیان کی گئی ہے وہ صحابی کے سوال کرنے کے وقت تک وحی کے سلسلہ میں باقی تھی جس میں مکی اور مدنی دونوں عہد شامل ہیں۔

۴۔ صلصلۃ الجرس یا گھنٹی کی آواز فرشتہ کے وجود کے منافی نہیں ہے۔ رسول اللہ جس کا وصف بیان کر رہے ہیں وہ ان مختلف حالات کا بیان ہے جن میں فرشتہ وحی لاتا تھا۔ کبھی فرشتہ کا وحی لانا گھنٹی کی آواز میں ہوتا تھا کبھی وہ رسول اللہ سے اس طرح گفتگو کرتا تھا جیسا کہ عام انسان گفتگو کرتا ہے۔ کبھی گھنٹی کی آواز وحی کے لیے تمہید کے طور پر ہوتی تھی۔ یعنی خاص وحی کی صورت نہیں۔

بخاری ہی میں یہ روایت ایک دوسرے طریقے سے مروی ہے جس میں ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے:

کیف یأتیک الوحی؟ قال: کل ذلک یأتینی الملک، احیاناً مثل صلصلۃ الجرس ویتمثل لی الملک احیاناً۔[۵۵]	آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ آپ نے فرمایا ہر صورت میں فرشتہ میرے پاس آتا ہے، کبھی گھنٹی کے بجنے کی طرح، کبھی فرشتہ انسانی شکل میں میرے پاس آتا ہے۔

بسوخت عقل ز حیرت ۔۔۔

حوالہ جات

۱؎ Mohammad at Macca, The Clarendon Press 1953 P. 3 ۲؎ ایضاً ص ۲

۳؎ Islamic Revelation in the modern world Edinburgh 1969 ۴؎ ایضاً ص ۳

۵؎ محمد ایٹ مکہ ص ۳ ۶؎ ایضاً ص ۱ ۷؎ ایضاً ص ۱ ۸؎ ایضاً ص ۲ ۹؎ تاریخ الطبری، تحقیق ڈاکٹر ابوالفضل ابراہیم، مطبوعہ دارالمعارف، چوتھا ایڈیشن ۲/۲۹۸-۲۹۹ ۔ ۱۰؎ ایضاً ۲/۳۰۵-۳۰۶ ۱۱؎ محمد ایٹ مکہ ۱۲؎ ایضاً ص ۴۲-۴۳ ۱۳؎ سورۃ القدر ۴ ۱۴؎ سورۃ الشعراء ۱۹۳ ۱۵؎ اسلامک ریولیشن ان دی موڈرن ورلڈ ص ۴۲-۴۳ ۱۶؎ ایضاً ص ۴۲ ۱۷؎ فتح الباری، کتاب بدء الوحی ۱/۳ ص ۲۴، کتاب التفسیر ۸(۶۵-۹۶) یہ الفاظ ہیں "حتی فجاءہ الحق وھو فی غار حراء فجاءہ الملک" اسی لیے طبری کی روایت کو ان روایات کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ ۱۸؎ ایضاً ص ۱-۲۳ ۱۹؎ محمد ایٹ مکہ ص ۴ ۲۰؎ ایضاً ص ۴ ۲۱؎ فتح الباری کتاب بدء الوحی ۱/۲، ۲۲؎ محمد ایٹ مکہ ص ۴۳ ۲۳؎ فتح الباری، کتاب التفسیر (۶۵) ۹۶/۲۴ ۲۴؎ سورہ انعام: ۱۲ ۲۵؎ محمد ایٹ مکہ ص ۴۳ ۲۶؎ Mohmmad as The Prophet and States man. P.15 ۲۷؎ محمد ایٹ مکہ ص ۴۴ ۲۸؎ ایضاً ص ۴۴ ۲۹؎ ایضاً ص ۴۵ ۳۰؎ موسیٰ بن عقبی کی مغازی میں زہری کی ایک روایت میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے کہ آپ نے سونے کی حالت میں خواب میں دیکھا پھر بیداری کی حالت میں فرشتہ آپ کے پاس آیا ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویۃ لابن کثیر تحقیق مصطفیٰ عبدالواحد ۱/۳۸۶ مطبوعہ عیسیٰ البابی الحلبی قاہرہ سنہ ۱۳۸۳ھ مطابق سنہ ۱۹۶۴ء ۳۱؎ محمد ایٹ مکہ ص ۴۲ ۳۲؎ ایضاً ص ۴۵-۴۶ ۳۳؎ ایضاً ص ۴۵ ۳۴؎ ایضاً ص ۴۶ ۳۵؎ ایضاً ص ۴۶

۳۶؎ السیرۃ النبویۃ لابن ہشام تحقیق مصطفیٰ السقا اور دوسرے لوگ ۱/۲۵۲-۲۵۳ مطبوعہ احیاء التراث العربی، بیروت سنہ ۱۳۹۱ھ مطابق سنہ ۱۹۷۱ء ۳۷؎ السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۱/۲۹۳ ۳۸؎ محمد ایٹ مکہ ص ۴۶ ۳۹؎ سورۃ عنکبوت ۴۸ ۴۰؎ محمد۔ پرافٹ اینڈ اسٹیٹس مین ص ۳۹-۴۰ ۴۱؎ سورہ عنکبوت ۴۸ ۴۲؎ سورہ نساء ۸۲ ۴۳؎ محمد ایٹ مکہ ص ۴۷ ۴۴؎ محمد۔ پرافٹ اینڈ اسٹیٹس مین ص ۴۰ ۴۵؎ ایضاً ۴۶؎ محمد ایٹ مکہ ص ۵۱ ۴۷؎ "وحی" کا لفظ جدید تعبیر کے طور پر شعوری یا اجتماعی وجدان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی کسی شخص یا پوری جماعت کے احساسات اور افکار ۴۸؎ ایضاً ۵۳ ۴۹؎ ص ۵۴-۵۸، ۵۰؎ سورہ نحل ۶۸ ۵۱؎ سورہ مریم ۱۱، ۵۲؎ سورہ یوسف ۲، ۵۳؎ سورہ کہف ۲۷ ۵۴؎ سورہ تکویر ۱۹-۲۲ ۵۵؎ سورہ قیامہ ۱۶-۱۹ ۵۶؎ فتح الباری کتاب التفسیر ۔ ۵۷؎ فتح الباری، کتاب بدء الوحی، حدیث ۲ ۵۸؎ ایضاً کتاب بدء الخلق۔